سچل سرمست

لوک ورثہ اشاعت گھر

سچّل سرمستؒ

سندھی، پنجابی، فارسی اور اردو کلام،

اُردو ترجمہ

شفقت تنویر مرزا

پاران ایم ایچ پنهور انسٹیٹیوٹ آف سنڌ اسٽڊيز، ڄامشورو.
Digitized by M. H. Panhwar Institute of Sindh Studies, Jamshoro.

لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد

80-11-2

سلسلۂ صوفی شاعری

پہلی اشاعت ـــــ نومبر ۱۹۸۰ء

دوسری اشاعت ـــــ مارچ ۱۹۸۷ء

جملہ حقوق محفوظ

نگران : عکسی مفتی　　مشاورت : رمضان اظہر

ایڈیٹر : مظہرالاسلام　　اُردو ترجمہ : شفقت تنویر مرزا

کتابت : عبدالرشید　　سرورق : مظہرالاسلام

لوک ورثہ اشاعت گھر، پوسٹ بکس ۱۱۸۴ - اسلام آباد

یہ کتاب یا اس کا کوئی حصہ بغیر اجازت طبع نہیں کیا جا سکتا

شعبۂ مطبوعات ۔ قیمت: ۱۱۹ روپے

سندھ کی ہیروئن ماروی کے نام

جسے عمر سومرو کے شاہی محل میں نہ
اپنا ریگ زار بھولا اور نہ اپنے غریب مارو

ترتیب

پہلی بات ـــــــــــــــ ۷

کچھ متن اور ترجمے کے بارے میں ـــــــــــــــ ۵۸

شجرۂ نسب ـــــــــــــــ ۶۲

نعت
تعارف ـــــــــــــــ ۶۳

سندھی

وحدت ـــــــــــــــ ۷۱

حقیقت ـــــــــــــــ ۷۹

سسّی ـــــــــــــــ ۹۱

نوری ـــــــــــــــ ۱۲۳

ماروی ـــــــــــــــ ۱۳۳

مومل رانو ـــــــــــــــــــ ۱۵۹
بیت روجھے ـــــــــــــــــــ ۱۷۵
سارنگ ـــــــــــــــــــ ۱۸۳
ہیر رانجھو ـــــــــــــــــــ ۱۹۳
جوگ ـــــــــــــــــــ ۲۰۳

پنجابی

دوہے ـــــــــــــــــــ ۲۱۱
کافی ـــــــــــــــــــ ۲۱۳
سی حرفی ـــــــــــــــــــ ۲۱۳

فارسی ـــــــــــــــــــ ۲۶۱
عشق نامہ
وصلت نامہ

اُردو ـــــــــــــــــــ ۴۰۳

سچل سرمستؒ کے بارے میں یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاتی ہے کہ ان کے آباواجداد پہلی صدی ہجری میں محمد بن قاسمؒ کے ساتھ سندھ میں آئے تھے۔ ان کا شجرۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ ان کے آبا واجداد سیوستان یا سیہون کے حکمرانوں میں تھے اور محمود غزنوی کے عہد تک سیہون پر حاکم رہے مگر خود سچلؒ کے لئے یہ باتیں کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں، ان کے لئے اپنے خانوادے میں سے سب سے اہم ان کے دادا خواجہ محمد حافظ عرف میاں صاحب ڈنہ اور اس کے بعد ان کے مرشد چچا اور سسر خواجہ عبدالحقؒ جو حضرت صاحب ڈنہ کے سجادہ نشین ہوئے، خواجہ محمد حافظؒ کا ذکر حضرت سچل سرمستؒ نے فارسی، پنجابی اور سندھی تینوں زبانوں میں بڑے اہتمام سے کیا ہے پنجابی میں اپنا تعارف لکھا اور بات حضرت صاحب ڈنہ سے شروع کی۔ فارسی میں مثنوی "تارنامہ" میں خواجہ محمد حافظؒ کی زندگی میں انقلاب لانے والا واقعہ بھی تفصیل سے درج کیا خواجہ محمد حافظؒ فاروقی خاندان کے کامل ولی اور بلند پایہ شاعر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ وہ

۱۱۰۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۹۲ھ میں وفات پائی (سندھی کے مشہور بزرگ اور شاعر شاہ لطیف بھٹائی، خواجہ محمد حافظؒ کے ہم عصر تھے۔ شاہ صاحب کی پیدائش ۱۱۰۲ھ/۱۶۸۹ء اور وفات ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء ہے) اس زمانے میں سندھ پر کلہوڑوں کی حکومت تھی۔ یہ حکومت محمد حافظؒ کی نوعمری میں قائم ہوئی اور ان کے انتقال کے چند سال بعد تک قائم رہی۔ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد سندھ پر سے مغلوں کی حکمرانی کا طویل دور ختم ہوا۔ اس دور کا خاتمہ محمد حافظ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کلہوڑوں کے سورج کا طلوع و غروب بھی دیکھا۔ محمد حافظ کلہوڑوں کے عہد میں ممتاز عہدے پر فائز تھے اور ان کا قیام بکھر یا سکھر کی انتظامیہ کے تحت خیرپور کے نواح میں ہی تھا۔ روائت ہے کہ ایک بار آپ اپنے ماتحت افراد اور نوکروں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار کسی دورے پر جا رہے تھے کہ راستے میں ایک مجذوب عورت بی بی بصری نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر انہیں روک لیا اور کہا کہ انہیں تو بارگاہِ ایزدی سے حقیقی بادشاہت عطا ہوئی ہے وہ دنیا کے دھندوں میں کہاں مارے مارے پھر رہے ہیں، بی بی بصری کی اس بات نے ایک دم ان کے دل و دماغ میں انقلابی تبدیلی پیدا کر دی، غالباً ذہنی طور پر وہ دنیاوی انتظامیہ سے وابستگی کو پہلے بھی قبول نہیں کرتے تھے۔ بی بی بصری انہیں مکمل قطع تعلق تک لے گئیں اور محمد حافظؒ نے اسی دم اپنے گھوڑ سوار ساتھی، تزک و احتشام اور جاہ و مراتب کو خدا حافظ کہا اور جنگل کی راہ لی۔ روائت کے مطابق جنگل میں شیر کا غار تھا۔ خواجہ محمد حافظؒ نے تنہائی کی زندگی اختیار کی اور اس غار میں عبادت میں مستغرق ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے مسلسل وہاں چالیس چلے کاٹے یعنی اس غار میں انہوں نے کم و بیش ساڑھے چار سال بسر کر دیئے۔ اسی اثنا میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے

ایک بزرگ حضرت خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ تشریف لائے اور غار کے منہ پر کھڑے ہو کر آواز دی "اب خربوزہ پک چکا ہے باہر تشریف لائیں تاکہ خلق خدا آپ سے مستفیض ہو"۔ خواجہ محمد حافظؒ یہ سن کر باہر آ گئے۔ خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ نے فرمایا "یہ فیض آپ کے جدِ امجد خواجہ ابوسعید فارمدیؒ کا عطا کردہ ہے جو میں آپ تک پہنچا رہا ہوں"۔

خواجہ عبیداللہ جیلانیؒ نے رخصت ہونے سے پیشتر آپ کو خاص طور پر تین نصیحتیں کیں (۱) آپ کے ہاں دو بیٹے ہوں گے ان میں سے چھوٹے بیٹے کو گدی سپرد کرنا کیونکہ بڑے لڑکے میں سے ایک سرمست پیدا ہوں گے وہ لاولد ہوں گے لیکن چھوٹے بیٹے کی پشت قائم رہے گی (۲) آپ کے خاندان کا ہر فرد اپنے سجادہ نشین کو اپنا مرشد بنائے گا۔ کسی دوسری درگاہ کا مرید نہیں ہوگا (۳) آپ اور آپ کی وفات کے بعد جو بھی سجادہ نشین ہوگا وہ اپنی درگاہ کی حدود سے باہر نہیں جا سکتا۔

آخری ارشاد سُن کر خواجہ محمد حافظؒ رنجیدہ ہوئے اور عرض کی کہ اگر مجھے سرورِ کائناتؐ کے روضے کی زیارت کا اشتیاق ہو تو میں کیا کروں، خواجہ عبیداللہ نے فرمایا کہ تم فکر نہ کرو تمہاری درگاہ پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچہری لگے گی جس میں دوسرے اولیاء کرام بھی موجود ہوں گے تمہیں حضورؐ کی خاطر کہیں جانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، سچل سرمستؒ کے خلیفہ اور سندھی شاعر نانک یوسف فقیر نے کہا ہے۔

حکم ایهو درگاهوت مولیٰ قادر قدس کرا روهي

شاه قطب جیلاني جي شوقئون طبل نیهن نقارو هي

ڏوڪهري پیغمبر جي شهه دراڻن وارو هي

یہ حکم بارگاہِ ایزدی سے جاری ہوا اور شاہ قطب جیلانی نے کہا کہ دراز اشریف میں

روزانہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کچہری لگے گی۔

روائت سے قطع نظر درازا شریف کی اہمیت کا آغاز بھی بڑی حد تک خواجہ محمد حافظؒ سے اور انتہا بھی انہی سے ہے۔ درگاہ سے باہر نہ جانے کی روائت ڈیڑھ سو سال سے زیادہ تک جاری رہی مگر اب یہ روائت ترک کر دی گئی ہے، خواجہ محمد حافظؒ نے بعد میں ایک مرحلہ پر عبیداللہ جیلانیؒ کی دوسری ہدایت کے بارے میں اپنے دونوں بیٹوں کو آزمایا۔ روائت ہے کہ آپ نے اپنے بڑے بیٹے میاں صلاح الدین کو حکم دیا کہ فلاں درخت کے قریب میرا لوٹا رکھا ہے وہ لے آؤ میاں صلاح الدین جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ خون کا ایک دریا موجزن ہے جسے دیکھتے ہی ان کے دل پر ہیبت طاری ہو گئی اور فوراً واپس آ گئے اس کے بعد انہوں نے اپنے چھوٹے بیٹے میاں عبدالحق سے لوٹا لانے کے لئے کہا انہیں بھی خون کا دریا ہی نظر آیا مگر وہ اس سے خوفزدہ نہیں ہوئے اور دریا میں کود گئے تو وہاں کوئی دریا نہ تھا وہ لوٹا لے کر واپس اپنے والد کے پاس آ گئے اس واقعہ کے بعد خواجہ محمد حافظؒ نے میاں عبدالحق کی سجادہ نشینی کا اعلان کر دیا۔

سچل سرمستؒ کے تقریباً تمام سوانح نگار خواجہ محمد حافظؒ اور شاہ لطیف بھٹائی کی ملاقات کے بارے میں متفق الرائے ہیں تاہم تفصیل میں اختلاف ہے شاہ لطیف بھٹائیؒ اپنا آبائی وطن چھوڑ کر کئی برس جوگیوں اور سنیاسیوں کے ساتھ سندھ کے دور دراز علاقوں میں گھومتے رہے۔ لس بیلہ، مکران، کچھ، کاٹھیاواڑ، جیسلمیر اور ملتان کی سیر و سیاحت کی اور اپنے وقت کے مشہور اولیائے کرام سے مستفیض ہوئے۔ یہ سارا سفر انہوں نے پیدل ہی کیا تھا۔ یہ روایت مخدوم غلام محمد کھہڑا (تحصیل گمبٹ ضلع خیرپور) سے منسوب ہے کہ حضرت شاہ لطیف بھٹائیؒ کھہڑا

شہر کی طرف جا رہے تھے کہ درازا شریف سے گذرے۔ میاں صاحب ڈنہ اس وقت ایک غار میں چلہ کشی میں مصروف تھے۔ حضرت شاہ لطیفؒ نے فرمایا "ہمیں اس جگہ سے ایک پکے خربوزہ کی خوشبو آ رہی ہے"۔ ایک اہلِ دل درویش شاہ لطیفؒ کے اشارے کو سمجھ گیا اور عرض کی کہ بیلو کی جھاڑیوں میں خواجہ محمد حافظؒ چلہ کشی میں مصروف ہیں یہ سن کر شاہ لطیفؒ غار کے اندر گئے اور خواجہ محمد حافظؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ "اب محبوب کو چھپانا اچھا نہیں، چلو باہر چلیں۔ اس طرح شاہ لطیفؒ، خواجہ محمد حافظؒ کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئے اور دونوں بزرگ اوتارہ (فقیروں کی جھونپڑی) میں بیٹھ کر گفتگو کرتے رہے۔

ایک دوسری روائت ہے کہ کھہڑا شہر میں چنیہہ نام کا ایک شخص اُجن قبیلے سے تھا وہ خواجہ محمد حافظ ڈنہؒ کا خاص مرید تھا۔ چلہ کشی کے دوران ہر روز ان کی خدمت میں دودھ لے کر آیا کرتا تھا۔ جس روز غار میں خواجہ محمد حافظؒ اور شاہ لطیفؒ گفتگو کر رہے تھے چنیہہ فقیر بھی دودھ لے کر آ گیا۔ غار کے اندر جانے لگا تو خواجہ محمد حافظؒ نے دیکھ لیا اور دور سے آواز دی کہ چنیہہ آج یہاں آگ جل رہی ہے اندر مت آنا مگر چنیہہ کو تو اسی آگ کی تلاش تھی وہ درّانہ اندر چلا گیا۔ خواجہ محمد حافظؒ اس کی ہمت اور جرأت سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا "چنیہہ آج تیرے نام سے "چ" کا حرف نکل گیا، بس اب تو "نیہہ" یعنی سراپا عشق ہے"۔ اس کے بعد چنیہہ درویشِ کامل بن گئے اور ان کی اولاد میں پشت ہا پشت تک فقیر اور درویش گذرے ہیں۔ ان کی اولاد کھہڑا شہر میں ہے۔

خواجہ محمد حافظؒ صاحبِ کرامات بزرگ تو تھے ہی مگر تصوف کے سلسلہ کی روایات کے مطابق سندھی اور پنجابی کے شاعر بھی تھے۔ شاعری افکار کی تبلیغ کا ذریعہ تھی اور تبلیغ چونکہ

عام انسانوں یعنی عاموں میں مقصود تھی اس لئے انہوں نے اس علاقے میں بولی جانے والی زبانوں کا سہارا لیا ان کی ایک پنجابی کافی ہے۔

صورت بشری کر کے بہانہ ہر رنگ دے وچ رنگ لچائم
یعقوب ہو کے بیٹڑا جائم یوسف اپنا نام دھرائم
آپ کو آپے کھوہے پائم قیدی ہو کے در کنعان
آپے اپنا مل چکائم
حیدر بن کے حملہ کیتم ہو کے حسن میں زہر چا پیتم
نال نیازی دے نالڑا نیتم چھوڑ مدینہ، ملک، مکان
کربل دے وچ کندھڑا کپائم
کداں شریعت دے وچ شادی کداں معرفت کراں منادی
کداں حقیقت دا ہاں ہادی کداں طریقت کر طولان
ہر مظہر وچ حکم ہلائم
مخفی بھی میں ہوں ظاہر بھی میں ہوں ناظر تے منظور بھی میں ہوں
تجلی بھی میں ہوں طور بھی میں ہوں موسیٰ نوں چا کر مستان
صاحب ڈنہ ہی نام سڈائم

سچل سرمستؒ کے بزرگوں میں سے سچلؒ کے لئے جو سب سے زیادہ واجب الاحترام بزرگ تھے وہ یہی خواجہ محمد حافظ عرف صاحب ڈنہؒ تھے۔ اس کے بعد خواجہ عبدالحقؒ کا مقام آتا ہے۔ سچلؒ کے دل و دماغ پر خواجہ محمد حافظؒ چھائے رہے اس لئے ان کی شاعری پر بھی خواجہؒ کے افکار کے گہرے سائے ہیں۔ مندرجہ بالا کافی سچلؒ کے سلسلہ شاعری کی ہی

ایک کڑی نظر آتی ہے یا یوں کہیئے کہ سچلؒ کی ساری شاعری اس کافی کے سلسلے کی کڑیاں ہیں انہی کے حوالے سے سچلؒ کے لئے درازا دنیا کا سب سے اہم مقام بھی بن گیا۔ مدینہ سے درازا تک صدیوں پر پھیلا ہوا سفر سچلؒ کی شاعری میں قدم قدم پر اپنا رنگ دکھاتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس طرف بھی ایک روزنِ در سے دیکھ لیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد آپ کے پوتے شیخ شہاب الدین بن عبدالعزیز پورے خاندان کے ساتھ حجاز سے ہجرت کر کے عراق میں آ گئے ۹۳ھ مطابق ۷۱۱ء میں جب عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کی کمان میں سندھ کو مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا تو شیخ شہاب الدین کو جو اپنے عہد کے اہم مدبر اور سیاستدان تھے اس نوجوان سپہ سالار کے ہمراہ مشیر کی حیثیت سے بھیج دیا کیونکہ جب سندھ پر مسلمانوں کو پہلے حملے میں شکست ہوئی تو شیخ شہاب الدین نے ہی حجاج بن یوسف کو مشورہ دیا تھا کہ سندھ کے سرحدی علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لئے بڑے بڑے عالموں کو بھیجا جائے۔ غالباً اسی تجویز کی بنا پر حجاج بن یوسف نے شیخ شہاب الدین فاروقی کو محمد بن قاسم کے ہمراہ بھیجا۔

سندھ پر مسلمانوں کے غلبہ کے بعد شیخ شہاب الدین نے محمد بن قاسم کو لوگوں کی آسودگی اور خوشحالی کے لئے مفید اور کارآمد مشورے دیئے۔ جس سے ایک طرف مسلم فوج کو کچھ فوائد ہوئے تو دوسری طرف سندھ کے عوام کو نئے مذہب میں کشش نظر آنے لگی۔ محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ (موجودہ حیدرآباد کے پاس) کے راجہ پر حملہ کرنے سے پہلے ایک سفارتی دستہ روانہ کیا جس کی قیادت شیخ شہاب الدین کر رہے تھے۔ اسی طرح محمد بن قاسم نے حملہ سے پہلے جو سفارتیں دوسرے راجاؤں کو

بھیجیں وہ بھی شیخ شہاب الدین کی سربراہی میں بھیجی گئیں۔ شیخ کی سفارتی صلاحیتوں نے بڑا کام دکھایا۔ اس طرح شیخ کے سندھ والوں سے گہرے تعلقات قائم ہوئے ان کی شہرت عام ہوئی۔

روائت کے مطابق جب محمد بن قاسم نے سیوستان (سیہون) فتح کیا تو شیخ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا گیا۔ تھوڑی سی مدت میں انہوں نے اپنے نظام حکومت اور اپنی قابلیت کے باعث حکومت مستحکم کر لی مگر جلد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ انہیں سیہون میں ہی دفن کیا گیا ان کے بعد ان کے فرزند شیخ محمد فاروق سیہون کے حاکم ہوئے اور اس کے بعد اس علاقے کی حکمرانی اسی خاندان کے پاس رہی۔

سندھ پر سلطان محمود غزنوی کے حملے کے بعد یہ خاندان سیہون کی حکمرانی سے سبکدوش ہوا۔ تاہم سلطان نے اس خاندان کی جاگیر مقرر کر دی۔ ساتویں صدی ہجری میں اس خاندان کے مخدوم نورالدین تھے جن کے چار فرزند تھے۔ ابوسعید، بدرالدین رکن الدین اور ضیاءالدین۔ ان میں سے مخدوم ابوسعید اور مخدوم بدرالدین سیہون سے ہجرت کر کے گاگڑی کے علاقے میں آ گئے یہ دونوں بھائی مخدوم جمارؒ کے مرید ہوئے جو مخدوم بہاؤالدین ذکریاؒ ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مخدوم جمارؒ کا مقبرہ رانی پور سے مشرق کی جانب دو میل کے فاصلے پر ہے۔ "رسالہ پچل سرمست" کے مؤلف مرزا علی قلی بیگ نے لکھا ہے کہ جس وقت مخدوم بہاؤالدین ذکریاؒ سندھ تشریف لائے تو ان دونوں بھائیوں (ابوسعید اور بدرالدین) کی یہ حالت دیکھی کہ جنگلی گھاس کے دانوں (ڈُھٹ) پر گذر اوقات کر رہے ہیں۔ چنانچہ خواجہ بہاؤالدینؒ نے ان دونوں کو "ڈُھٹھڑ" کا لقب دیا۔

مخدوم جمارؒ کا مزار گڈیجی میں ہے اور ابوسعید کا موسیجی میں جو رانی پور سے ایک میل کے فاصلے پر ہے "سچل جو سرائیکی کلام" کے دیباچے میں مولانا محمد صادق رانی پوری لکھتے ہیں " مخدوم ابوسعید کی اولاد موسیجی سے ہجرت کر کے شہر رانی پور میں آکر آباد ہوئی۔ ان میں قاضی محمد شریف ایک زبردست عالم، محدث، صاحب کشف و کرامات اور بلند پایہ شاعر تھے۔ ان کی مسجد جو کسی زمانے میں جامع مسجد تھی۔ اس وقت بھی رانی پور کے سرکاری ہسپتال سے شمال کی طرف پچاس گز کے فاصلے پر واقع ہے اس مسجد کے قریب جنوب کی طرف مخدوم محمد شریف اور ان کے شہزادوں کے مزار ہیں۔ مسجد کے نزدیک مشرق کی طرف ایک پکا کنواں ہے۔ کنوئیں کے مشرق کی طرف ایک وسیع قلعے کے اندر انہی فاروقی بزرگوں کے مکانات تھے۔ جن میں حضرت پیر صالح شاہ گیلانی کے ملازم رہا کرتے تھے۔

آغا غلام نبی صوفی نے اپنی کتاب "سچل سرمستؒ" میں لکھا ہے کہ "سیہون میں رہ رہ کر آخر اس فاروقی خاندان کا آب و دانہ تبدیل ہوا۔ زمانہ نے اپنی نیرنگیاں دکھانا شروع کر دیں۔ اور یہ خاندان سیہون کو خیرباد کہہ کر خدا آباد میں جا کر مقیم ہوا۔ لیکن فلک نے انہیں وہاں بھی چین نہیں لینے دیا۔ بعد میں وہ سندھ کے مشرقی ریگستانی علاقے تھر میں جا آباد ہوئے اس منتقلی کا خاص سبب معلوم نہیں تاہم ان دنوں خواجہ بہاؤالدین ذکریا ملتانی وہاں تشریف لائے اور اپنے خلیفہ مخدوم جمارؒ کے ذریعے مخدوم ابوسعید اور مخدوم بدرالدین کو " ڈونھڑ" کا لقب دیا۔ گڈیجی کے قصبہ میں اس خاندان کے خواجہ احمد فاروقی گذرے ہیں۔ غالباً کلہوڑوں سے بھی پہلے مغلوں کے عہد میں انہیں گمبٹ اور رانی پور میں جاگیریں دی گئیں۔ روایت ہے کہ فاروقی خاندان نے وہ جاگیریں دو خادموں کو آباد کرنے کے

لئے دے دیں ان کے نام دراز اور کاجن تھے دونوں کا تعلق ونڈیر قبیلے سے تھا دراز ونڈیر کے نام پر دراز کا قصبہ آباد ہوا۔ اسی نسبت سے سچل سرمستؒ درازی کہلائے۔

قاضی علی اکبر درازی اپنی کتاب "دولہا درازی" میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ محمد حافظؒ کے فیض روحانی کا شمس کمال عالم آشکار ہوا اور کئی مرید اور عقیدت مند آپ کے فیض سے بہرہ ور ہونے لگے۔ تو گردونواح کے شہروں یعنی گمبٹ اور رانی پور کے جیلانی سادات کو اس بات پر بڑا تعجب ہوا اور فوراً میاں صاحب ڈنہ کو کہلا بھیجا کہ دو شیر ایک جنگل میں کبھی نہیں رہ سکتے۔ خواجہ محمد حافظ نے جواباً یہ عرض کی کہ "ہم آپ کے جدِ امجد حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے ارشادات کے مطابق یہاں آکر آباد ہوئے ہیں اور ہمیں آپ کی بزرگی کا بڑا احترام ہے لہذا آپ کبھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔" میاں صاحبؒ ڈنہ کے اس پیغام پر پیر صاحبان نے فرمایا "اچھا آج رات ان تمام باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

گمبٹ اور رانی پور کے دونوں پیر صاحبان بڑے باکمال ولی اللہ تھے اور جب رات ہوئی تو ان دونوں نے حضرت غوث الاعظمؒ کے باطنی حضور میں حاضر ہو کر دیکھا کہ "سبحان اللہ! حضرت پیر دستگیر نے اپنے ایک گھٹنے پر اپنے ایک صاحبزادے کو بٹھا رکھا ہے اور دوسرے گھٹنے پر خواجہ محمد حافظؒ بیٹھے ہیں۔ حضرت پیر دستگیر نے گمبٹ اور رانی پور کے دونوں پیر صاحبان سے مخاطب ہو کر فرمایا "بیٹا! یہ محمد حافظ ہماری نظرِ فیض کا فرزند ہے اور ہمیں بہت پیارا لگتا ہے۔" پیر صاحبان نے جب حضرت غوث پاک کی بارگاہ میں خواجہ محمد حافظ کا اتنا بڑا مرتبہ دیکھا تو ان سے بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ پیش آئے اور آج تک ان تینوں درگاہوں کے سجادہ نشینوں اور عقیدت مندوں

کا ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور محبت کا سلسلہ بدستور قائم ہے۔" سچل سرمست" کے مصنف حاجی خیرپوری کا خیال ہے کہ خواجہ محمد حافظ عرف صاحب ڈنہ کی درگاہ گمبٹ اور رانی پور کی درگاہوں سے پہلے قائم ہو چکی تھی۔ جیلانی سادات میں سے سید محمد شاہ اور سید احمد شاہ دونوں مخدوم احمد کھہڑا کے یہاں مقیم رہے تھے اور جیلانی سادات نے انہی کی وساطت سے رانی پور اور گمبٹ میں درگاہیں قائم کی تھیں۔

فاروقی خاندان کے اس پس منظر اور روایات میں خواجہ عبدالوہاب سچل سرمستؒ ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۷۳۹ء خواجہ محمد حافظؒ کے بڑے صاحبزادے خواجہ صلاح الدین کے گھر دراز امیں پیدا ہوئے اس وقت خواجہ محمد حافظؒ کی عمر ۵۱ برس تھی۔ ان کی وفات کے وقت سچل سرمستؒ کی عمر ۲۶ برس تھی۔ جب کہ شاہ لطیف بھٹائیؒ سچل سرمست کی پیدائش کے چودہ برس بعد انتقال کر گئے۔ سچل سرمست کی پیدائش کے وقت مغلوں کی حکومت کو ختم ہوئے چالیس برس ہو چکے تھے اور چالیس برس سے کلہوڑوں کی حکومت تھی۔ خواجہ عبدالحق سچل کی پیدائش کے وقت ۳۲ برس کے تھے ۷۲ سال کی عمر میں خواجہ محمد حافظؒ کے سجادہ نشین ہوئے۔ سچل سرمستؒ صرف چھ برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ سچل سرمستؒ نے کلہوڑوں کے دور میں آنکھ کھولی اور پھر تالپوروں کا پورا عہد دیکھا اور زندگی کے آخری ایام میں انگریزوں کو" ہندسندھ" پر حاوی ہوتے محسوس کیا۔ سندھ میں دلندیزیوں کی آمد و رفت بھی ان کے سامنے رہی کلہوڑوں کے عہد میں سندھ کی سیاسی اکائی اور پھر تالپوروں کے نصف عہد میں سندھ کی وحدت کو دیکھا مگر ان کی زندگی میں ہی سندھ تالپوروں کے تحت تین وحدتوں میں تقسیم ہو گیا ان میں ایک وحدت کے حکمران خیرپور کے تالپور تھے جو درازا کی گدی

کے معتقد تھے۔

روایت ہے کہ سچل سرمستؒ کی پیدائش کے بعد شاہ لطیف بھٹائیؒ دراز اشریف تشریف لائے۔ خواجہ محمد حافظؒ نے خواجہ عبدالحق، سچل سرمست اور خواجہ عبدالحق کے فرزندوں کو شاہ لطیفؒ بھٹائی کی خدمت میں دعا کے لئے پیش کیا۔ شاہ لطیف نے سچل کو دیکھا تو بے ساختہ کہہ دیا کہ "ہم نے جو خم چڑھایا ہے اس کا ڈھکنا یہ بچہ اٹھائے گا"۔ سندھی ادبی دنیا اس پیش گوئی کو ایک تاریخی حقیقت سمجھتی ہے ہر چند بعض محققین کا خیال ہے کہ ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ بہر حال سچل سرمستؒ وہی کچھ ثابت ہوئے جو شاہ نے کہا تھا۔

روائت ہے کہ سچل سرمستؒ کی پرورش ایک نیک سیرت دایہ کے سپرد کی گئی جو شیدی (حبشی) قوم سے تھی اور حضرت سچل سرمستؒ اسے پیار میں "کالی اماں" کہا کرتے تھے۔ ایک روز دایہ نے حضرت سچل سرمستؒ کو ہدایت کی کہ بیٹا کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بہت ضروری ہے۔ حضرت سچل سرمستؒ نے جواب دیا۔ اماں اس لفظ میں تو اللہ کا نام آخر میں آتا ہے آپ مجھے وہ لفظ سکھایئے جس میں اللہ کا نام سب سے پہلے آتا ہو۔

سچل سرمستؒ کو ان کے چچا خواجہ عبدالحق نے سب سے پہلے حافظ عبداللہ قریشی صدیقی کے پاس قرآن مجید حفظ کرنے کے لئے بھیجا۔ آپ بچپن میں ہی قرآن مجید ازبر کر کے حافظ اور قاری بن گئے۔ ان کے استاد کی تربت بھی آپ کے مقبرے کے سامنے صحن میں موجود ہے اپنے استاد کی وفات پر خود سچلؒ نے مادۂ تاریخ نکالا اور یہ قطعہ اپنے استاد کی لوح پر لکھوایا۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد سچل سرمستؒ کو

خواجہ عبدالحق نے خود فارسی پڑھانا شروع کی۔ علوم عربیہ متداولہ کی تحصیل کے ساتھ علم تصوف و معرفت کی بھی تکمیل کرائی اور خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ علاقہ میں عام لوگ اسی کارن انہیں خلیفہ سچل بھی کہتے ہیں۔ خود سچلؒ نے اپنا استاد اور مرشد خواجہ عبدالحقؒ کو ہی کہا ہے اور چاروں زبانوں میں خواجہ عبدالحقؒ کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

سچل سرمستؒ بچپن میں بہت کم بولتے تھے اور جو کچھ بولتے تھے وہ سچ ہوتا تھا اس لئے بچپن سے ان کا نام سچو یا سچل پڑ گیا۔ تن تنہا رہنا عادت تھی۔ جنگلوں میں پھرتے رہتے تھے، خموشی، صبر اور فکر ان کا فطری سرمایہ تھا۔ ایام جوانی میں باجماعت نماز پنجگانہ پابندی سے ادا کرتے زیادہ تر وقت درود و وظائف میں مشغول رہتے تھے، اسی اثنا میں خواجہ عبدالحقؒ نے اپنی دختر نیک اختر سچلؒ سے بیاہ دی۔ جن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، سچلؒ زیادہ تر درازا میں ہی رہے ایک آدھ بار سکھر، روہڑی، شکارپور، لاڑکانہ اور قرب و جوار کے علاقوں میں گئے۔ روہڑی میں ان کی ملاقات قادر بخش بیدلؔ سے ہوئی جو آپ کے بڑے معتقد تھے۔ سکھر اور شکارپور میں آپ کی ولائت و کرامت اور درویشی اور سخنوری کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور کئی لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آکر شامل ہوئے۔ لاڑکانہ میں عثمان فقیر چاکی کو فیض روحانی سے مستفیض فرمایا اور میاں محمد صالح کو سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرائیں۔

آپ کی جوانی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک آدمی ملا جو بیل لئے جا رہا تھا، سچلؒ نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے اس نے جواب دیا "محبوب" آپ نے پھر پوچھا "کدھر جا رہے ہو"۔ بولا "مستی" (گاؤں کا نام) کی طرف۔ اس پر آپ نے دریافت کیا "کس کے پاس"۔ بولا "محبت کے پاس"۔ یہ سن کر سچلؒ

پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ جھوم جھوم کر کہنے لگے "سبحان اللہ، سبحان اللہ، محبوب محبت اور مستی کی طرف جا رہا ہے۔" آپ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور اس آدمی کو گھوڑے پر سوار کرا دیا اور خود اس کا بیل پکڑ کر پیدل چل پڑے اور سارا راستہ کہتے گئے "واہ واہ سبحان اللہ، محبوب مستی اور محبت کی طرف جا رہا ہے" آخر آپ درازا پہنچ گئے اور وہاں اپنے نوکر سے کہا کہ اس آدمی اور بیل کو محبت کے پاس پہنچا آؤ۔ اس کے ساتھ آپ نے اپنا گھوڑا بھی اس شخص کو بخش دیا۔

عام روایت ہے کہ میرانِ خیرپور اور درازا کے فاروقی فقیروں کے ایک دوسرے کے ساتھ اتنے گہرے تعلقات تھے کہ ایک عامل دیوان جو حیدرآباد کے میر صاحبان کے یہاں ملازم تھا کسی وجہ سے ملازمت چھوڑ کر خیرپور کے والی میر سہراب خان کے یہاں چلا آیا اور ان کا مختارِ کار ہوا۔ چند دنوں کے بعد اس نے سرکاری رقوم میں نادانستہ یا دانستہ طور پر خورد برد کی اور اسی الزام میں گرفتار ہوا۔ اس حیدرآبادی دیوان کے رشتہ دار صوفی فقیر میاں فضل اللہ جھوک شریف والے کی خدمت میں جا حاضر ہوئے اور سفارش کے لئے منت سماجت کی۔ صوفی فقیر نے انہیں ایک خط خواجہ عبدالحقؒ کے نام لکھ دیا اور اس میں لکھا کہ "ہمارا ایک آدمی تمہارے ظالموں نے قابو کر رکھا ہے اسے فوراً آزاد کرا دو۔" حضرت خواجہ عبدالحق نے خط پڑھ کر اپنی دستار حضرت سچل سرمستؒ کے سر پر رکھی اور فرمایا کہ "جاؤ اور میران خیرپور سے حیدرآبادی عامل کو آزاد کرا کے لاؤ" سچل سرمستؒ میر سہراب خاں کے دربار میں پہنچ گئے اور وہاں بندوقیں دیکھ کر پوچھا "یہ کیا ہیں؟" سب لوگوں نے جواب دیا کہ یہ بندوقیں ہیں اور ان سے شیروں کا شکار کیا جاتا ہے۔ حضرت سچلؒ نے فرمایا

کہ شیر کا شکار آسان بات نہیں، حاضر خدمتگاروں نے تکرار سے کام لیتے ہوئے کہا کہ "یہ بندوق صرف چند قدموں پر شیر کی دھجیاں اڑا دیتی ہے"۔ اس پر سچل سرمستؒ کی طبیعت میں عجیب طرح کا جوش پیدا ہوا۔ آپ کے چہرے پر جلال کے کچھ ایسے آثار نمایاں ہوئے کہ میر سہراب خاں کے تمام صاحبزادگان اور حاضرین مجلس کو یوں محسوس ہونے لگا گویا سچ مچ شیر آکر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے۔ سب ڈر کے مارے کانپنے لگے اور معافی کی درخواست کی۔ آخر ان صاحبزادگان کی سفارش پر حضرت سچل سرمستؒ کی منشا کے مطابق اس ہندو عامل دیوان کو فوراً قید سے آزاد کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے بعد ریاست خیرپور کے تمام میر صاحبان درازا کے فاروقی فقیروں کے بڑے معتقد بن گئے وقتاً فوقتاً زیارت کے لئے آتے اور نذر نیاز پیش کرتے۔ رشید احمد لاشاری نے لکھا ہے کہ مرزا علی قلی بیگ کے مطابق جب سچل سرمستؒ نے وفات پائی۔ میر علی مراد خان نو عمر تھے۔ میر علی مراد خان کا اپنا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جب میں چھوٹا سا تھا تو آپ نے میری آنکھوں پر بوسہ دیا تھا اور مجھے دعا دی تھی۔ اس واقعہ کی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ ایک روز ریاست خیرپور کے چھوٹے بڑے میر صاحبان شکار سے واپس لوٹے اور درازا کے قریب سے گذر رہے تھے حضرت سچل سرمستؒ اس وقت کنوئیں پر اپنے پورے جسم کو ملتانی مٹی لگائے نہانے کے لئے تیار تھے۔ سر پر پانی ڈالنے ہی والے تھے کہ بڑے میر صاحبان حضرت کی قدمبوسی کے لئے آگے بڑھے مگر انہیں ملتانی مٹی میں لتھڑا ہوا دیکھ کر فوراً پیچھے ہٹ گئے، نزدیک نہیں آئے دور کھڑے خیر و عافیت پوچھتے رہے۔ میر مراد خاں جو سب سے

چھوٹے تھے اور سب سے آخر میں وہاں پہنچے تھے فوراً دوڑ کر سچل سرمستؒ کے قدموں میں گر پڑے۔ سچلؒ بہت خوش ہوئے فوراً اٹھ کر میر علی مراد خاں کی آنکھوں پر بوسہ دیا اور انہیں دعا دے کر بڑے میر صاحبان سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم ملتانی مٹی دیکھ کر مجھ سے پیچھے ہٹ گئے لیکن یہ ملتانی مٹی نہ تھی بلکہ جاہ و اقبال کی مہندی کا رنگ تھا جو اس چھوٹے میر صاحب (میر علی مراد خاں) کو لگ چکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت سچل سرمستؒ کی دعا کا ہی اثر تھا کہ ۱۸۴۳ء میں (سچلؒ کی وفات کے صرف سترہ برس بعد) جب انگریزوں نے میرانِ سندھ سے حکومت چھین کر برطانوی پرچم لہرا دیا تو تمام سندھ میں خیرپور ہی ایک ایسا علاقہ تھا جہاں میر علی مراد خاں کی ریاست باقی رہ گئی۔

مرزا علی قلی بیگ نے حضرت سچل سرمستؒ کی شادی اور اولاد کے بارے میں ایک روایت درج کی ہے کہ والیٔ ریاست خیرپور میر رستم خاں (واضح رہے کہ رستم خان حضرت سچلؒ کی وفات کے چار برس بعد ۱۸۳۰ء میں میر سہراب خان کا جانشین مقرر ہوا تھا) کا فرزند میر حسن سخت بیمار تھا، میر رستم خان نے حضرت سچل سرمستؒ کو اپنے بیٹے کی دعا کے لئے اپنے پاس بلایا۔ سچل سرمستؒ نے میر محمد حسن کے لئے دعا کی اور وجد و مستی میں آکر میر رستم خان سے مخاطب ہوئے کہ "ہم اپنا فرزند تمہارے فرزند کے عوض اللہ میاں کے سپرد کرتے ہیں۔" سچل سرمستؒ ابھی خیرپور میں میر رستم خان ہی کے پاس تھے کہ اس کا فرزند میر محمد حسن تندرست ہو گیا۔ جب کہ سچلؒ کا بیٹا جس کا نام نیاز علی یا موجود علی تھا وفات پا گیا ——— لیکن اس روایت میں کسی اعتبار سے بھی کوئی صداقت نظر نہیں آتی۔

رشید احمد لاشاری لکھتے ہیں "کتاب تذکرہ مخادیم کھہڑا (قلمی) میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ محکم دین سیلانی امیر (خانقاہ شریف بہاولپور) درازا شریف کے نزدیک

جنگل میں آکر مقیم ہوئے۔ حضرت سچل سائیں ان کی ملاقات کے لئے گئے۔ ملاقات کے وقت حضرت محکم دین صاحب نے سچل سائیں سے بغلگیر ہوتے ہی ان کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مارا اور فرمایا بس تمہارے لئے عشق الٰہی کا یہ ایک طمانچہ ہی کافی ہے اس روز سے سچل سرمستؒ کے لقب سے مشہور ہوئے۔" مولانا محمد صادق رانی پوری اور قاضی علی اکبر درازی دونوں اس روایت کی تردید کرتے ہیں کیونکہ انہیں سچلؒ کے کلام یا تحریروں سے اس کی تصدیق نہیں ملتی۔

فیض پانے کی روایات اپنی جگہ فیض یاب کرنے کی روایات میں بھی ایک منفرد رنگ ہے۔ حضرت سچل سرمستؒ کے دربار سے وابستہ فقیر نانک یوسف گذرے ہیں جن کے والد کا نام مولوی محمد ہاشم تھا۔ سبی (بلوچستان) کے رہنے والے تھے۔ مگر وہاں سے شہر جھل مگسی آگئے جہاں انہیں مفتی مقرر کر دیا گیا۔ ان کے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ مشہور ولی اللہ گودڑیا کے مزار پر آکر دعا مانگی۔ وہاں انہیں بشارت ہوئی کہ بیٹا ہوگا لیکن وہ اپنے زمانے کا منصور ہوگا۔ مولوی ہاشم کے گھر بیٹا ہوا، اس کا نام محمد یوسف رکھا گیا۔

محمد یوسف نے اپنے والد بزرگوار سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور فارغ التحصیل ہو کر دستار بندی کی۔ رسم دستار بندی کے چند دنوں بعد ہی مولوی ہاشم کا انتقال ہو گیا۔ محمد یوسف کو اُن کی جگہ گدی نشین کیا گیا۔ عالم فاضل تھے، نیک دل تھے۔ اس لئے علم و کمال کی شہرت جلد ہی دور دور تک جا پہنچی۔ عالم فاضل سلامی کے لئے آنے لگے۔ اس کے باوجود محمد یوسف کے دل میں ہمیشہ یہ خیال رہا کہ میں عالم، فاضل اور زامد و عابد تو بن گیا لیکن اللہ کا دیدار نصیب نہیں ہوا۔ اس بے قراری میں شہر چھوڑ

کر جنگل کی راہ لی۔ جنگل میں چلہ کشی کی اور بشارت ہوئی کہ فیض الٰہی حاصل تو ہوگا مگر اس جگہ سے جہاں صبح و شام نعرۂ منصوری بلند ہوتا رہتا ہے۔

محمد یوسف نے ایک سال میں متواتر تین بار چلے کاٹے لیکن ہر مرتبہ یہی بشارت ہوئی آخر اس تلاش میں نکل پڑے۔ رانی پور سے ہوتے ہوئے دراز اشریف کے قریب پہنچ گئے۔ تاہم رات کا وقت تھا راستہ بھول گئے اور رات بسر کرنے کے لئے بستی ڈھونڈنے لگے انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ کون سا قصبہ یا گاؤں ہے تاہم سماع کی آواز سن کر درگاہ شریف کی حدود میں داخل ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ مسجد کے حجرے کے اندر ایک مردِ خدا مراقبے میں ہے اور دوسرے فقرا اس کے اردگرد سماع میں مشغول ہیں۔ محمد یوسف نے اچھی طرح پہچان لیا کہ منصوری نعرہ بلند کرنے والا مردِ مجاہد یہی شخص ہو سکتا ہے"۔ یہ سوچ کر محمد یوسف بھی ان فقیروں کے ساتھ سماع میں شامل ہو گئے لیکن ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ اس مراقبے والے شخص نے فقیروں کو حکم دیا کہ اس نو وارد کو اسی وقت مسجد کے حجرے سے نکال دو۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی اور انہیں مسجد کے حجرے سے باہر نکال دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر مسجد میں داخل ہوئے مگر مراقبے والے نے پھر مسجد سے نکالنے کا حکم دیا۔ تیسری بار بھی ایسا ہی ہوا تاہم جب تیسری مرتبہ محمد یوسف کو مسجد سے باہر پھینکا تو وہ بے ہوش ہو گئے مراقبے والے نے محمد یوسف کو جب بے ہوشی کے عالم میں دیکھا تو کہا کہ اس کو ڈنڈا ڈولی کر کے شہر سے باہر پھینک دو۔ حسبِ ارشاد محمد یوسف کو سمتی تالاب کے قریب ایک درخت کے ساتھ ٹیک دلا کر پھینک دیا گیا۔ محمد یوسف اس

درخت کے ساتھ اس طرح ٹیک لگائے بیٹھے کہ ان کا منہ درگاہ شریف کی طرف رہا اسی طرح متواتر چند روز تک وہیں بیٹھے رہے اور کسی طرف بھی ہلے جُلے نہیں۔

اس واقعہ کو چند روز گذر گئے تو حضرت سچل سرمستؒ جو دراصل مراقبے والے بزرگ تھے اپنے فقیروں کے ساتھ اس تالاب کے پاس سے گذرے اور اس درویش کو بے ہوشی کے عالم میں دیکھا۔ حضرت سچل سرمستؒ نے فقیروں سے فرمایا کہ جاکر دیکھو زندہ ہے کہ مرگیا ہے۔ فقیروں نے دیکھ کر عرض کیا کہ "قبلہ یہ بے چارہ مرگیا ہے"۔ سچلؒ نے ہنس کر فرمایا "یہ درویش آسانی سے مرنے والا نہیں بلکہ زندہ ہے"۔ فقیروں نے التجا کی کہ قبلہ یہ فقیر آپ کا سچا عاشق ہے اب تو اس پر نگاہ کرم ڈالئے۔ آپ نے فرمایا "اچھا اسے میرے پاس لے آؤ"، فقیروں نے فوراً اس کے قریب پہنچ کر آواز دی کہ "چلو تمہیں مرشد نے یاد فرمایا ہے"۔ فقیر یہ آواز سن کر اچھل کر اٹھا اور تندرستوں کی طرح خوشی خوشی پیدل حضرت سچل سرمستؒ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

حضرت سچل سرمستؒ نے محمد یوسف پر نظر عنایت فرمائی اور اسے اپنے روحانی فرزندوں میں شامل کرکے ریاضت کا حکم دیا۔ پہلے بارہ مہینے تو وہ لنگر کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے رہے۔ روایت ہے کہ وہ ابھی لکڑیاں کاٹتے ہی رہتے تھے کہ لنگر ختم ہو جاتا تھا اور انہیں روٹی نصیب نہیں ہوتی تھی حضرت سچلؒ کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے ان سے لکڑیاں کاٹنے کا کام بند کرا دیا اور پانی بھرنے کا حکم دیا۔ بارہ ماہ تک محمد یوسف درگاہ کے لئے مٹکے بھرتے رہے۔ اس کے بعد مرشد نے کرم فرمایا اور انہیں اپنا خاص خدمتگار مقرر کیا۔

یوسف فقیر سے پہلے یعقوب فقیر بھی حضرت سچلؒ کی خدمت میں رہتے تھے روایت ہے کہ ایک روز سچلؒ اپنی خلوت گاہ میں بیٹھے تھے۔ آپ نے اچانک آواز دی کہ "یعقوب، یعقوب"۔ یعقوب فقیر اس وقت موجود نہ تھے۔ یوسف فقیر نے جواب دیا "یعقوب حاضر نہیں اس کا بیٹا یوسف حاضر ہے"۔ اسی طرح حضرت سچلؒ نے تین بار یعقوب کو آواز دی۔ یوسف فقیر نے ہر مرتبہ وہی جواب دیا۔ کہتے ہیں کہ اس بات پر سچلؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور جب حال سے باہر آئے تو فوراً یوسف فقیر کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا "اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ امانت جب تمہیں حاصل ہونی تھی تو یعقوب کو کیسے دی جا سکتی ہے یوں مرشد کی ایک ہی نگاہ سے یوسف فقیر واصل باللہ ہوئے۔

مرشد سے مستفیض ہونے کے بعد یوسف کچھ عرصہ دراز امیں ہی مقیم رہے۔ لیکن بعد میں حکم ہوا کہ رنگپور کی بستی میں بود و باش اختیار کرو۔ یوسف فقیر اسی بستی میں آکر مقیم ہوئے جسے آج کل یوسف فقیر جو گوٹھ یا اگڑا کہا جاتا ہے۔ روایت ہے ایک مرتبہ یوسف فقیر کو حضرت سچل سرمستؒ نے حکم دیا کہ فوراً چلے جاؤ اور امرتسر کی سیر کر کے آؤ۔ مرشد کے ارشاد کے مطابق یوسف فقیر نے حاجی عبداللہ فقیر، ڈھنڈھن فقیر بلو فقیر اور اللہ داد فقیر کو اپنی رفاقت میں لیا اور سفر پر چل پڑے۔ کئی منزلیں طے کرنے کے بعد امرتسر میں سکھوں کے دربار میں پہنچ گئے۔

یوسف فقیر نے امرتسر پہنچ کر خود کو 'گورو نانک' کہلانا شروع کر دیا۔ سکھوں کو ان پر بڑا غصہ آیا۔ سکھوں نے انہیں گھیر لیا اور فیصلہ ہوا کہ یوسف کو گستاخی کی سزا دی جانی چاہیئے۔ چنانچہ ایک منصوبہ کے مطابق یوسف فقیر سے کہا گیا کہ گورو نانک کا

یہ معمول تھا کہ ہر روز تیل کی ایک کڑاہی آگ پر رکھواتے تھے اور جب تیل کھولنے لگتا تھا تو فوراً اس میں کود کر اشنان کرتے تھے۔ آپ اگر واقعی گورو نانک ہیں تو اپنے اس کارنامے کو دوبارہ کر دکھایئے۔ یوسف فقیر نے سکھوں کی اس تجویز کو فوراً قبول کر لیا۔ فوراً تیل کی کڑاہی چڑھائی گئی اور اس کے نیچے شعلے بھڑکنے لگے۔ جب تیل کھولنے لگا تو یوسف فقیر سے کہا گیا کہ اب خود کو گورو نانک ثابت کیجئے۔ یوسف فقیر جوش میں آکر تیل میں کودنے والے تھے کہ اچانک غیر متوقع طور پر موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور چند لمحوں کے اندر ابلتا ہوا تیل پانی کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔ یوسف فقیر نے اس کڑاہی میں غوطے لگائے اور اپنی مشہور کافی گانا شروع کر دی۔

دھوپڑے میں دھپا سائیں دھوپڑے میں دھپا
گگا چھوڑ کے دوا دھوکے لالا، تتا، پیا سائیں دھوپڑے میں دھپا
نانک یوسف عشق انوکھا مرشد میرا مکہ
اس پر میری جان تصدق وہ عاشق کا تپا سائیں دھوپڑے میں دھپا

گانا ختم ہوا تو یوسف فقیر اشنان کر کے باہر نکلے یہ کرامت دیکھ کر سکھ بھی معتقد ہو گئے اب تک آپ صرف یوسف فقیر کہلاتے تھے اب نانک یوسف کے نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت سچل سرمستؒ انہیں یوسف کنعانی کے نام سے بھی پکارتے تھے۔ نانک یوسف فقیر کے مرنے پر روہڑی کے فقیر قادر بخش بیدل نے قطعے کی صورت میں تاریخ وفات کہی۔

یوسفِ مصر جاں عزیز وجود — جانب ملک جاوداں رفتہ
سال وصلش خرد بجست سروش — گفت طائر بہ آشیاں رفتہ

۱۲۶۹ھ

حیدرآباد اور سندھ کے میر شیعہ تھے۔ چنانچہ خیرپور کے میروں کے بارے میں حیدرآباد کے میروں کو یہ اعتراض تھا کہ وہ سُنیوں اور وہ بھی فاروقیوں یعنی درازا والوں کے معتقد ہیں۔ قاضی علی اکبر درازی مصنف "دولہا درازی کے دربار کے موتی" میں لکھتے ہیں کہ حیدرآباد کے میر واحد بخش نے اس سلسلے میں خیرپور کے میر علی مراد خاں کو خط لکھا اور طعنہ دیا کہ تم شیعہ ہو کر درازا کے اہلِ سنت فاروقیوں کے معتقد ہو۔ علی مراد خاں نے واحد بخش کو لکھ بھیجا کہ سچل سرمستؒ بڑے کامل اکمل عارف ولی اللہ ہیں انہیں رب رسولؐ کے راز معلوم ہیں جو ان کا منکر ہے وہ مردود ہے۔ میر واحد بخش نے علی مراد خاں کو لکھا کہ ہم یوں نہیں مانتے بہتر ہوگا کہ سچلؒ کا کوئی فقیر ہمارے پاس بحث مباحثہ کے لئے بھیجو۔ یہ خبر سچل سرمستؒ کو بھی معلوم ہو گئی انہوں نے یوسف فقیر کو حیدرآباد میں میر واحد بخش کی کچہری میں جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ فقیر یوسف اپنے دوسرے فقیروں کے ساتھ میر واحد بخش کی کچہری میں پہنچ گئے مگر وہاں میر واحد بخش نے ان فقیروں سے سخت بدسلوکی کی جس پر یوسف فقیر نے میر واحد بخش سے کہا کہ "پگ گئی اور ٹوپی آگئی"۔ یہ اشارہ تھا حیدرآباد کے میروں کی حکومت کے خاتمے اور انگریزوں (ٹوپی والوں) کی حکومت کے آنے کا۔

میرپور کے پہلے حکمران میر سہراب خان (۱۷۳۰ء - ۱۸۳۰ء عہد حکومت ۱۷۸۴ء - ۱۸۳۰ء) درازا شریف کی درگاہ اور سجادہ نشینوں کے بڑے معتقد تھے انہوں نے خواجہ محمد حافظؒ، خواجہ عبدالحقؒ اور سخی قبول محمد تینوں کا عہد دیکھا تھا تاہم درگاہ پر پہلا مقبرہ میر رستم خان نے ۱۲۲۵ھ (جس وقت سچلؒ کی عمر ۷۴ سال تھی) میں تعمیر کرایا۔ تیسرے حاکم علی مراد خاں نے سچل سرمستؒ کا فارسی دیوان "دیوان آشکارا"

پچھلی صدی کے نصف آخر میں چھپوایا تھا۔

رشید لاشاری اپنی کتاب "سچل سرمستؒ" میں لکھتے ہیں "بعض احباب نے لکھا ہے کہ کھہڑا کے مخدوموں کو سچل سرمستؒ سے عداوت تھی۔ لیکن یہ بات حقائق کے خلاف جاتی ہے اس کے متعلق "تذکرہ مخادیم کھہڑا" کا یہ حوالہ ہی کافی ہے کہ ایک مرتبہ مخدوم محمد عاقل اول اور ان کے بھائی مخدوم محمد صاحب کا جاگیروں کے سلسلہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تنازعہ ہو گیا۔ مخدوم محمد صاحب میر سہراب خاں کے یہاں پکار پکار کر تھک گئے۔ لیکن کسی قسم کی دادرسی نہ ہوئی۔ آخر وہ سخی قبول محمد اور سچل سرمستؒ کے یہاں فریاد لے کر آئے۔ چنانچہ سچل سرمستؒ، مخدوم محمد کا معاملہ لے کر مخدوم محمد عاقل کے پاس گئے تو مخدوم محمد عاقل نے اپنی مہر اٹھا کر سچل سرمستؒ کے ہاتھ میں دے دی اور کہنے لگے آپ جو فیصلہ کریں مجھے منظور ہے۔ سچل سرمستؒ نے فیصلے کے مطابق ملکیت کا مناسب حصہ مخدوم محمد عاقل کے بھائی مخدوم محمد کو دلایا اور دونوں بھائیوں کو گلے ملا کر ایک دوسرے کے ساتھ شیر و شکر بنا دیا۔

سچل سرمستؒ کے شعر کہنے کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارنگی یا طبلے پر ہاتھ لگتا تھا تو آپ پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ سر کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے تھے۔ عین وجد و مستی کی حالت میں متواتر شعر کہتے جاتے تھے اور ان اشعار کو ان کے مرید اور فقیر قلمبند کرتے جاتے تھے۔ آپ جب ہوش میں آتے تو آپ کو کلام پڑھ کر سنایا جاتا لیکن آپ کہتے تھے کہ "یہ کسی کہنے والے نے کہا ہو گا مجھے کچھ یاد نہیں"۔

مرزا علی قلی بیگ نے لکھا ہے کہ سچلؒ کے مریدوں نے ان کا اکثر کلام

کتابی صورت میں اکٹھا کر رکھا تھا۔ لیکن ایک موقعہ پر آپ نے ان سب مسوّدوں کو نذرِ آتش کر دیا کیونکہ آپ کو اپنے کلام کے متعلق یہ شک پیدا ہو گیا تھا کہ مبادا لوگ غلط مطلب لے کر گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس واقعہ کو جب کافی عرصہ گذر گیا تو آپ کے فقیروں اور عقیدتمندوں کے بار بار کے اصرار پر آپ نے اپنے کلام کو دوبارہ قلمبند کرنے کی اجازت دے دی۔ فقیروں کو جو کلام یاد تھا اسے کتابی صورت میں لے آئے۔ مرزا علی قلی بیگ کی روایت کے مطابق آپ کی وفات کے وقت آپ کی تمام کافیوں (؟) کا شمار کیا گیا تو کل نو لاکھ چھتیس ہزار چھ سو تھیں۔

ایک دفعہ آپ کچھ زیادہ بیمار ہوئے تو سجادہ نشین سخی قبول محمد نے جنہیں سچلؒ کی حسن پرستی اور لے سے دلچسپی کا بخوبی علم تھا۔ میر رستم خاں کو کہلا بھیجا کہ آپ کچھ گانے والیاں بھیجیں۔ جب گانے والیاں دراز پہنچیں تو حضرت سچل سرمستؒ کو بہت خوشی ہوئی آپ اٹھ بیٹھے۔ گانا سنتے ہی آپ پر وجد طاری ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ روبصحت ہو گئے۔

ایک دوسری دفعہ بیماری کے دوران لاڑ کانے کی ایک گانے والی آئی، تو حضرت سچل سرمستؒ نے اسے دیکھ کر فرمایا "بسم اللہ ہمارا طبیب آیا، ہمارا حکیم آیا۔"

کریم بخش خالد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ سچلؒ کے عہد کے مذہبی حالات بھی ناگفتہ بہ تھے۔ کھڑا کے مخدوم مذہبی لحاظ سے انتہا پسند تھے انہیں اس قدر مذہبی اقتدار حاصل تھا کہ معمولی باتوں پر ہندوؤں کو جبراً مسلمان کیا کرتے تھے۔ حکام اور علماء بھی ان کے احکام کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ غیر مسلموں کو زبردستی حلقۂ اسلام

میں لانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اقلیتیں حکومت اور مخدومین کے خلاف گڑبڑ اور بغاوت کے منصوبے بنانے لگیں اور آنے والے دور نے یہ بات ثابت کر دکھائی کہ جب انگریز سندھ میں وارد ہوئے تو ہندوؤں اور دوسری اقلیتوں نے میران سندھ کے خلاف ان کا ساتھ دیا تاہم اس دور میں بزرگانِ دین کی خانقاہیں مظلوم انسانوں کے لئے امن اور سکون کے بہت بڑے مراکز تھیں اس سلسلے میں گبسٹ اور رانی پور کو خصوصیت حاصل تھی۔ جہاں ابراہیم شاہ اور صالح شاہ قادری فیض کے دریا بہا رہے تھے۔ علاوہ ازیں کنڈڑی (ریاست خیرپور) روہڑی، پیر گوٹھ اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں بھی امن کے مسکن قائم تھے۔"

سیجل سرمستؒ سندھ میں منصوری روایت کے علمبردار تھے اور اس ضمن میں سندھ کی جو روایات تھیں ان کی پاسداری کو انہوں نے فرض جانا۔ چنانچہ جھوک شریف والے شاہ عنایت کو وہ منصوری راہ کے شہیدوں میں شمار کرتے ہیں۔ سندھی، فارسی اور پنجابی میں شاہ عنایت کو بار بار انہوں نے خراج عقیدت پیش کیا۔ شاہ عنایت کا تنازعہ اگر ایک طرف تنگ نظر ہم عقیدہ لوگوں سے تھا۔ تو دوسری طرف اس وقت مغلوں اور کلہوڑوں کے ان حاکموں سے جو عارضی اور فوری مقاصد کے حصول کے لئے طاقت اور جبر کو ضروری خیال کرتے تھے۔ مولانا اعجاز الحق قدوسی نے "تحفۃ الاکرام" اور "مقالات الشعرا" کے حوالے سے شاہ عنایت شہید جھوک شریف والے کے بارے میں واقعہ "تاریخ سندھ" میں اس طرح لکھا ہے۔

صوفی شاہ عنایت اللہ بن مخدوم فضل اللہ بن مُلّا یوسف بن مُلّا شہاب الدین بن مُلّا رجب بن مخدوم صدو لنگاہ، اپنے وقت کے نہایت جلیل القدر صوفی و درویش تھے۔ دولت حق شناسی کے لئے ملکوں ملکوں پھرتے رہے یہاں تک کہ دکن میں پہنچ کر

شاہ عبدالمالک کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر تصوف کی تمام منازل طے کیں۔ وہ علومِ ظاہری حاصل کرنے کے لئے شاہ غلام محمد کی خدمت میں پہنچے تھے جو اس وقت شاہجہاں آباد (جہاں آباد) میں مقیم تھے اگرچہ شاہ عنایت نے علوم ظاہری کی تعلیم شاہ غلام محمد سے حاصل کی۔ لیکن سلوک کی منزلیں شاہ غلام محمد نے شاہ عنایت سے طے کیں وہ ٹھٹھہ ان کے ساتھ آئے۔ شاہ غلام محمد شیخ کی ارادت میں بعض ایسے طریقے اختیار کرتے تھے جو علماء کے نزدیک ناجائز تھے۔ مثلاً وہ اپنے شیخ کو سجدۂ تحیت کرتے تھے۔ علماء نے اس پر انہیں ٹوکا تو شاہ عنایت نے انہیں شاہجہاں آباد چلے جانے کا حکم دیا اور خود پرگنہ ٹھٹھہ میں غازیاہ کے کنارے موضع جھوک عرف میراں پور میں اپنے مریدین و معتقدین کی ایک جماعت کے ساتھ مقیم ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ شاہ عنایت کی عبادت و ریاضت کی شہرت دور دور پہنچی اور اطراف و اکناف کے لوگ عقیدتمندانہ طور پر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

ان کے عقیدتمندانہ ہجوم کو دیکھ کر آس پاس کے دو حلقوں میں رقابت کی آگ بھڑک اٹھی ان میں سے ایک حلقہ اطراف و جوانب کے زمینداروں کا تھا اور دوسرا آپ کے قریب کے موضع بلڑی کے سادات کا گروہ تھا جن کی پیری مریدی اور عقیدتمندی کا فروغ شاہ عنایت کی وجہ سے کم ہوتا جاتا تھا اور ان کے مریدین و معتقدین شاہ عنایت کے حلقے میں شامل ہوتے جاتے تھے جس کی وجہ سے یہ سادات بلڑی شاہ عنایت سے سخت ناراض تھے۔ ٹھٹھے کے قریب بکیرا میں شیخ فاضل شاہ قریشی کی اولاد میں سے شاہ سراج الدین نے پیری مریدی کو دنیاوی جاہ و حشمت سے ملا لیا اور بادشاہ کے دربار میں بڑا مقام حاصل کر لیا۔ دہلی کے دربار میں رسائی حاصل کرنے

کے بعد انہوں نے شاہ عنایت کے خلاف جنگ شروع کرانے میں پہل کی۔

"تحفۃ الاکرام" میں انفرادی طور پر بھی ان اشخاص کے نام دیئے ہیں جنہوں نے شاہ عنایت کے خلاف مغل ناظم ٹھٹھہ کے پاس شکائتیں کیں۔ ان میں بلڑی کے سادات میں سید عبدالواسع بن سید عبدالغنی بن سید عبداللہ لعل بن سید دین محمد بن سید عبدالکریم تھے دوسرے نور محمد بن منبہ بن رادہ بن بابو پلیجانی زمیندار پلیجا پورا اور تیسرے حمل بن لاکھا بن حمل بن لاکھا جت زمیندار تھا (زمینداروں نے سیدوں کے صلاح مشورہ سے شاہ عنایت سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی) لیکن سادات بلڑی مخالفت میں سب سے زیادہ سخت تھے۔ جس زمانے میں شاہ عنائت کے خلاف شکایت پیش ہوئی اس زمانے میں ٹھٹھے کا مغل ناظم لطف علی تھا۔ اس نے سادات بلڑی کی جنبہ داری میں بغیر تحقیقات کے حکم دے دیا کہ وہ صوفی شاہ عنایت اور ان کے مریدوں سے خود نپٹ لیں ان لوگوں نے لطف علی کا اشارہ پاکر شاہ عنایت کی خانقاہ پر حملہ کر دیا۔ اس میں خانقاہ کے بہت سے درویش شہید ہوئے ان بے گناہوں کے ورثا نے جب استغاثہ کیا تو حکومت کی جانب سے قاتلوں کی زمینیں مقتولوں کے ورثا کو دلا دی گئیں، تحفۃ الاکرام کے مطابق پھر کتنے ہی غریب اور دوسرے لوگ ہندوستانی عمّال (حکومتِ دہلی) کے مظالم سے بھاگ کر فقیروں کے دامن عاطفت میں آباد ہو گئے۔

۱۱۲۸ھ/۱۷۱۶ء میں لطف علی خاں کی جگہ نواب اعظم خاں ٹھٹھے کا ناظم ہو کر آیا۔ تحفۃ الاکرام کے مطابق ایک بار پھر سارے منحوس پڑوسیوں نے ٹھٹھے کے حاکم کو اپنے ساتھ ملا کر اور فقیر (شاہ عنایت) کی بغاوت کا خدشہ ظاہر کر کے شاہی دربار سے ان کی بیخ کنی کا حکم جاری کرا لیا اور پھر سندھ کے سارے پرگنوں کی فوجیں جمع کر کے

ان پر چڑھ آئے۔ مولانا قدوسی لکھتے ہیں " وہ (نواب اعظم خان) شاہ عنایت کے دشمنوں کی باتوں سے متاثر ہو کر ان کی امداد کے لئے تیار ہو گیا۔ اس نے شاہ عنایت کی مخالفت میں ان زمینوں کے محصول جو خانقاہ کے متصل تھیں اور جن کے محصول معاف ہو چکے تھے، بحال کر دیئے اور ادائیگی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ شاہ عنایت نے جواب دیا کہ جب یہ محصول بادشاہ (محی الدین فرخ سیر) کی جانب سے معاف ہو چکے ہیں اب ہم سے کیسے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ اعظم خاں اس جواب پر برہم ہو گیا اور اس نے مرکز میں لکھ بھیجا کہ صوفی شاہ عنایت اور ان کے مرید سرکاری محصول ادا نہیں کرتے آن سے بغاوت کی بو آ رہی ہے وہاں سے حکم ملا کہ اس فتنے کو روکا جائے۔ اس حکم کے ملنے پر اعظم خان نے اپنی فوج کے علاوہ یار محمد خاں کلہوڑا اور دوسرے رئیسوں کے نام احکام جاری کئے کہ وہ بھی مدد کے طور پر اس فوج میں شریک ہوں۔ اس فوج نے صوفی عنایت کی خانقاہ پر ہلہ بول دیا۔ پہلے تو پورے چار ماہ یہ فوج شاہ صاحب کی خانقاہ کا محاصرہ کئے پڑی رہی۔ شاہ صاحب کے فقیر راتوں میں اس فوج پر شب خون مارتے تھے۔ اس طرح اعظم خاں کی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے اور وہ تباہی کے قریب جا پہنچے تھے۔

مقالات الشعراء میں ہے کہ ۱۸ ذیقعد ۱۱۲۹ھ/۳۱ اکتوبر ۱۷۱۷ء کو جنگ کا آغاز ہوا۔ درویشوں کا طریقہ یہ تھا کہ رات کے وقت تلواریں لے کر نکلتے اور محاصرہ کرنے والوں پر شب خون مارتے اس طرح اعظم خان کی فوج کے بہت سے آدمی مارے گئے صوفی شاہ عنایت نے درویشوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ وہ حملہ کرتے وقت نعرے بالکل نہ لگائیں اور حکم دیا تھا کہ جب تک تم خاموشی سے حملے کرتے رہو گے تمہیں کامیابی ہو

گی۔ اتفاق سے ایک دن شب خون کے موقع پر ایک درویش کا پاؤں لکڑی سے ٹکرایا۔ اس کے منہ سے بے اختیار اسم ذات زور سے نکلا جو ان لوگوں کا عام دستور تھا دوسرے درویشوں نے بھی یہ نعرہ سن کر نعرے لگانے شروع کر دیئے اس طرح مخالفوں کو شب خون مارنے والوں کا پتہ چل گیا اور انہوں نے باقاعدہ تیاری کے ساتھ جنگ شروع کر دی اگرچہ درویش کمزور ہو گئے لیکن باقاعدہ جنگ ختم نہیں ہوئی اور درویش فوج پر حملے کرتے رہے۔

آخر اعظم خاں نے میاں یار محمد خاں کلہوڑا اور میر شہداد بلوچ کی وساطت سے فریب سے شاہ عنایت کو صلح کی پیش کش کی (۹ صفر ۱۱۳۰ھ یکم جنوری ۱۷۱۸ء) کہ درویشوں کے جان و مال کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ معاہدہ صلح ہوا جس کے بعد صوفی شاہ عنایت اعظم خاں کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ صلح نامہ ایک دھوکا تھا۔

اعظم خاں نے شاہ صاحب کو گرفتار کر کے پوچھا کہ بتاؤ تم نے شورش کیوں برپا کی تھی۔ شاہ عنایت نے جواب دیا۔

آں روز کہ تو سن فلک زیں کردند
آرائش مشتری ز پرویں کردند
ایں بود نصیب ما ز دیوانِ قضا
مارا چہ گنہ قسمت ما ایں کردند

نواب اعظم خاں کے ایک مصاحب محمد رضا نے اس کے جواب میں کہا۔

دوست بیدار بشو عالم خواب است ایں جا
حرفِ بے ہودہ مگو پائے حساب است ایں جا

شاہ عنایت نے فوراً جواب دیا کہ:

در کوئے نیک نامی مارا گزر نہ دادند
گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

اعظم خاں نے کہا کہ اب اس کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

شاہ عنایت نے جواب میں فرمایا کہ محبِ حق کے لئے سزا وہی حیثیت رکھتی ہے جو سونے کے لئے آگ۔

اعظم خاں نے کہا کہ تم نے بدنامی کیوں مول لی اور تبر بلا کا نشانہ کیوں بنے۔

شاہ عنایت نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اعظم خاں نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ تم نے بادشاہ کی فرمانبرداری سے باہر قدم کیوں رکھا حالانکہ قرآن میں اول الامر کی اطاعت کا حکم ہے۔

شاہ عنائت نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

ما مریداں رو بسوئے کعبہ چوں آریم چوں
رو بسوئے خانۂ خمار دارد پیرِ ما

نواب اعظم خان نے کہا اب آرزوؤں میں ناکام ہونے پر غمگین ہونے سے کیا نتیجہ؟

شاہ عنایت نے جواب میں یہ شعر پڑھ

من ازاں دم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

نواب اعظم خاں نے شاہ عنایت کو قید میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ شاہ عنایت نے اس حکم کی بے تکلف تعمیل کی اور یہ شعر ان کی زبان پر تھا

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کن غم ایام را

۱۵ صفر ۱۱۳۰ھ ۷ جنوری ۱۷۱۸ء کو شاہ عنایت کو شہید کیا گیا۔ آخری وقت میں یہ شعر شاہ صاحب کی زبان پر تھا۔

رہا نیدی مرا از قید ہستی
جزاک اللہ فی الدارین خیرا

تلوار گردن پر پڑی تو چار تکبیریں کہہ کر واصل حق ہوئے۔

نواب اعظم خاں پہلے ہی ملک میں غلہ گراں ہونے کی وجہ سے بدنام تھا شاہ عنایت کی شہادت نے اسے اور ملک میں روسیاہ کر دیا جس کی وجہ سے وہ ٹھٹھے کی حکومت سے معزول ہوا۔

شاہ عنایت کی شہادت کا واقعہ حضرت سچل سرمستؒ کی پیدائش سے بائیس برس پہلے پیش آیا۔ اگرچہ سچل سرمستؒ کا علاقہ بکھر کے ناظم کے تحت تھا اور یہ واقعہ ٹھٹھہ کی نظامت کا تھا مگر اس واقعہ نے بنیادی طور پر علمی اور فکری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ سچلؒ کے زمانے میں بھی اس کو بے پناہ حیثیت حاصل رہی۔ شاہ عنایت کی شہادت کے واقعہ کو سندھ کی سیاسی، مذہبی اور ادبی دنیا میں اہم مقام حاصل ہے اور سچلؒ سمیت تمام معروف شاعروں کی ذہنی ساخت اور تخلیقی افتاد میں یہ واقعہ اہم کردار ادا کرتا نظر آتا ہے۔

سچلؒ کی پیدائش سے صرف چھ برس پہلے نظامت بکھر کے موضع کھہڑا میں دوسرا واقعہ پیش آیا جہاں ایک معروف مذہبی گھرانے کے بزرگ مخدوم عبدالرحمٰن کو ان کے دو سو بائیس ساتھیوں کے ساتھ میاں نور محمد کلہوڑا کے لشکر نے مسجد میں شہید کر دیا۔ مخدوم رحمٰن حیدرآباد کے قریب پہاڑی کلور والے سیدنا ابراہیم شہید کی اولاد میں سے تھے۔ مخدوم امیر احمد اور ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے "تحفۃ الاکرام" کے حواشی کے مطابق مخدوم رحمٰن ایک جید عالم، صاحب کرامت بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ مخدوم غلام محمد بگائی جن کے منظوم معجزے اور میلاد آج بھی عام طرح گا کر روحانی سرور حاصل کیا جاتا ہے یہ داستان سندھی زبان میں نظم کی ہے اور یہ (مخدوم عبدالرحمٰن کی شہادت کے متعلق نظم) میاں غلام محمد بگائی کی سندھی کے نام سے سندھ میں مشہور ہے۔

کلہوڑا خاندان کے بزرگ ابتدا میں صوفیا کی حیثیت سے تاریخ سندھ میں متعارف ہوتے ہیں مگر بعد میں انہوں نے مذہبی اور روحانی رشتے چھوڑ کر حکمرانی کا راستہ اختیار کیا۔ سچلؒ کے دونوں ممدوح شاہ عنایت اور عبدالرحمٰن کھہڑا کی شہادت کلہوڑوں کے ہاتھوں ہوئی۔ شاہ عنایت اور جنگ جھوک کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر کی تاریخ سندھ عہد کلہوڑا میں میاں یار محمد کلہوڑا کا اپنا بیان ہے۔

"میں اور نواب اعظم خاں دریائے اوتھل سے گذر کر جھوک پہنچے چونکہ قلعہ کے گرد گہری خندق کھود رکھی تھی اس لئے لشکر کو جھوک کے نصف کوس پر ٹھہرایا گیا تھا۔ اذیقعد کو سواروں اور پیادوں کے ساتھ خندق کے اردگرد کے علاقے کا چکر لگایا اور شاہ عنایت کے مقابلے کی ہمت نہ پڑی۔

اگلے دن اتوار کو جب صبح ہونے میں تقریباً ایک پہر باقی تھا۔ شاہ عنایت

کی فوج کے ایک ہزار سترہ پیادے شب خون کی غرض سے آئے۔ ہمارے لشکر کے بھی چند آدمی مارے گئے لیکن بہادروں نے مفسدوں کو تلوار پر رکھ لیا۔ بہت تھوڑے لوگ جان سلامت بچا سکے۔ باقی سب تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔

مقتولین میں اکثر پنھوار جو قاسم ولد کہرام اور سید کے ساتھ تھے، وکیل ٹھٹھہ اور احمد بوبکانی اور اس کے دونوں بھائی اور اوڈھیجہ قبیلے کے لوگ اور دوسرے زمیندار جو اپنے آپ کو اس کے زمرۂ فدایان میں شامل کئے ہوئے تھے۔

مولانا مہر نے گلدستۂ نورس بہار کے اسی خط سے ایک اور اقتباس دیا ہے جو اعجاز الحق قدوسی کی تاریخ سندھ جلد دوم میں شامل ہے۔

" داؤد خاں عباسی سخت بیمار ہے امید ہے کہ خدا کی رحمت سے شفا پائے انہوں نے تلوار کے پانچ چھ زخم چہرے پر اور جسم کے دوسرے حصوں پر کھائے۔ اس جنگ میں میاں داؤد کے علاوہ ان کے بھائی میاں غلام حسین نے، نیز خدا یار خاں کے بھائی میر محمد خاں نے بڑی بہادری دکھائی اور سب نے کم و بیش زخم کھائے خط کے آخر میں ہے کہ " ابھی جنگ باقی ہے انشاء اللہ مفسد کو عنقریب اس کے عمل کا بدلہ ملے گا۔"

سچل کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے اور ان کی زندگی کے دوران تاریخ سندھ کے اہم واقعات کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ سچل کی منصور حلاج سے لے کر سرمد شہید تک اور شاہ عنایت اور بلھے شاہ سے وابستگی کے ساتھ ساتھ فرید الدین عطار، مولانا روم اور مولانا جامی سے وابستگی کے اسباب کی جڑیں یہیں کہیں ہیں۔ کلہوڑوں کے پہلے باقاعدہ حکمران میاں یار محمد کے اٹھارہ سالہ دور حکومت میں جھوک شریف کی

جنگ ہے۔ باقی عرصہ اس نے عیش و آرام میں گذارا۔ جھوک کی جنگ اس کی زندگی کے آخری سالوں میں ہوئی۔ اس کے بعد میاں نور محمد کلہوڑا ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء میں مسند نشین ہوا۔ اسے اپنے بھائی داؤد خاں کی طرف سے خطرہ تھا مگر اسے اس نے معرکہ آرائی سے پہلے رام کر لیا اس زمانے میں دہلی میں محمد شاہ تخت نشین ہو چکا تھا۔ میاں نور محمد نے فرمانبرداری کی عرضداشت بھیجی۔

میاں نور محمد کی پہلی جنگ شکارپور کے داؤدپوتروں سے ہوئی۔ جنہیں میاں نور محمد نے سندھ سے نکال دیا اور وہ پنجاب کے علاقوں ملتان، بہاولپور، پاکپتن وغیرہ میں جا بسے سابق ریاست بہاولپور کا قیام بھی انہی داؤدپوتروں کا مرہون منت تھا پھر قلات کے بروہیوں سے جھگڑا شروع ہوا۔ جنڈھیر کی جنگ میں بروہیوں کو شکست ہوئی۔ نور محمد کے دونوں بیٹوں کی شادی عبداللہ خان بروہی کی بیٹیوں سے ہوئی۔

جس سال درازا میں سچل سرمستؒ پیدا ہوئے اسی سال ۱۷۳۹ء نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کر دیا۔ دہلی میں قتل و غارت اور لوٹ مار کے بعد جب وہ کابل واپس پہنچا تو اس نے میاں نور محمد کے نام کابل سے حکم بھیجا کہ وہ کابل میں حاضر ہو۔ مگر میاں نور محمد خود کو دہلی سے وابستہ سمجھتا تھا۔ اس نے اس فرمان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی نادر شاہ کو جب اندازہ ہوا کہ نور محمد نے اس کے حکم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تو وہ سندھ پر حملے کے لئے بجلی کی طرح کڑکا اور طوفان کی طرح روانہ ہوا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے کشتیوں کے ذریعے فوج ڈیرہ غازیخاں پہنچائی۔ وہاں میاں نور محمد کو طلب کیا لیکن میاں نور محمد نے جواب نہیں دیا۔ نادر شاہ نے لاڑکانہ روانہ ہونے سے پہلے لاہور کے گورنر ذکریا خان کو خط لکھا کہ "ہمارا ارادہ ہے کہ اس مرتبہ ہم موسم سرما سندھ میں گذاریں اور وہاں کے

شرپسندوں کو تنبیہ کریں۔ ہمارا لشکر ان کا تعاقب کرتا ہوا دریائے سندھ کو عبور کرے گا لیکن اسے سلطانی علاقے (محمد شاہ کے علاقے) میں مداخلت نہ سمجھا جائے۔ تم تیار اور مستعد رہو اور ضرورت پڑنے پر لاہور سے ملتان پہنچ جاؤ اور وہاں ٹھہر کر مفروروں کے راستے روکنے کا انتظار کرو۔ ذکریا خاں نے یہ فرمان دہلی بھیجا وہاں سے حکم آیا کہ نادر شاہ کے فرمان کی پوری پوری تعمیل کی جائے۔

نادر شاہ کے حملے کا سنا تو میاں نور محمد اپنا دارالحکومت خدا آباد چھوڑ کر سارا سازوسامان لے کر عمر کوٹ روانہ ہو گیا تاکہ نادر شاہ کی نظر نہ پہنچ سکے۔ نادر شاہ فروری ۱۷۴۰ء کو لاڑکانہ پہنچا۔ میاں نور محمد کے فرار کی اسے اطلاع مل گئی۔ نادر شاہ سواروں کا دستہ لے کر نور محمد کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ شہداد پور پہنچا تو نور محمد کی طرف سے اسے تحائف ملے مگر نادر شاہ مطمئن نہ ہوا اور عمر کوٹ پہنچ گیا جہاں میاں نور محمد نے سوا کروڑ روپیہ نادر شاہ کو دیا۔ نادر شاہ نے نور محمد کی حکومت بحال کر دی۔ نادری حملے سے سندھ کو سخت نقصان پہنچا۔ نادر ملک کی ساری دولت ہی نہیں لے گیا بلکہ اس نے سندھ کے کتب خانے بھی لوٹ لئے اور سندھ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ سبی اور کچھی والئ قلات کو دیے۔ شکارپور صادق محمد خاں داؤدپوترہ کو اور باقی سندھ میاں نور محمد کو۔

نادر شاہ نور محمد کے دو بیٹے مراد یاب خان اور میاں غلام شاہ کو بھی ساتھ لے گیا۔ بعد میں تیسرا بیٹا عطر خاں بھی وہاں چلا گیا۔ یہ سب نادر شاہ کے قتل تک وہیں رہے۔

نادر شاہ ۱۷۴۷ء میں قتل ہوا۔ پچل کی عمر اس وقت آٹھ برس کی تھی۔ نادری حملے نے سندھ پر جو اثرات چھوڑے تھے۔ ان کا اندازہ قاضی عبدالقادر ٹھٹھوی کے

حسب ذیل قطعہ تاریخ سے ہوتا ہے۔

فتنہ نادر چوں بروں شد زمیاں
راحت آمد بہمہ عالمیاں
خوش خبر ہاتف فرمود ز غیب
"محو شد آفت نادر زجہاں"

۱۱۶۰ھ

پنجاب میں نادر شاہی حملے کے بارے میں پنجابی کے متعدد شاعروں کے ہاں حوالے موجود ہیں اور نجابت نے تو ایک پورا جنگ نامہ تحریر کر دیا ہے۔ سچل ؒ کے ہاں نادر کا لفظ ظالم کے مفہوم میں بارہا آیا ہے۔

نادر شاہی ظلم و ستم کا دور ختم ہوا تو احمد شاہ ابدالی کے حملے شروع ہو گئے پہلا حملہ ۱۷۴۹ء میں پنجاب پر ہوا۔ میاں نور محمد سے خراج تو مل رہا تھا۔ مگر کسی بات پر ناراض ہوا۔ اور ۱۷۵۳ء میں جب سچل سرمست ؒ کی عمر چودہ برس تھی۔ احمد شاہ ابدالی سکھر کے راستے سندھ آ گیا۔ میاں نور محمد کے سفیر دیوان گدومل نے احمد شاہ ابدالی کو رام کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۰ء میں پانی پت کی جنگ لڑی اور ۱۷۶۳ء میں پھر سرہند تک گیا۔ بہرحال سندھ اب دہلی کی بجائے کابل کے تابع رہا اور کلہوڑے کابل والوں کی بالادستی مانتے رہے۔

احمد شاہ ابدالی کی سندھ پر یلغار کے وقت میاں نور محمد نے وہی طریق اختیار کیا جو نادر شاہ کے حملہ کے وقت کیا تھا یعنی دارالحکومت سے نکل کر جیسلمیر کی مشرقی جانب چلا گیا۔ جہاں ۹ دسمبر ۱۷۵۳ء کو وفات پائی۔ بہرحال میاں نور محمد کے عہد میں کھہڑا کے

مخدوم عبدالرحمٰن کو میاں کی فوج نے شہید کیا۔

میاں نور محمد کا جانشین اس کا بڑا لڑکا محمد مراد یاب خاں ہوا مگر قید ہوا، قید میں مرا۔ اس کے دو بیٹے اس کے بھائی غلام شاہ کے عہد میں قتل ہوئے۔ مراد یاب خاں کے بھائی محمد عطر خاں نے احمد شاہ ابدالی سے سندھ کی حکومت کی سند حاصل کر لی۔ اس کے دوسرے بھائی احمد یار خاں نے غلام شاہ کے خلاف عطر خاں کی حمایت میں لشکر تیار کرنا شروع کر دیا۔ غلام شاہ مجبوراً جیسلمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔ عطر خان کے مظالم، غفلت اور بدمزاجی کی وجہ سے رعایا چیخ اٹھی۔ لوگوں نے میاں غلام شاہ کو واپس بلایا۔ جسے اب بہاولپور کے نوابوں کی حمایت حاصل تھی۔ دونوں فریقوں کی فوجوں میں روہڑی کے باہر نہر امرکس کے کنارے خونریز جنگ ہوئی۔ عطر خاں اور احمد یار خاں ہار گئے۔ غلام شاہ جیت گیا مگر عطر خاں نے افغانوں کی مدد سے پھر غلام شاہ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ آخرش سندھ تینوں بھائیوں میں تقسیم ہو گیا۔ ٹھٹھہ وغیرہ غلام شاہ کے حصے میں آیا مگر پھر جھگڑا ہوا۔ آخر احمد یار اور عطر خاں ملک چھوڑ کر چلے گئے اور غلام شاہ کا پورے سندھ پر قبضہ ہو گیا۔ مگر افغان دربار سے اسے سندِ حکومت نہیں ملی تھی، اوباڑو میں اس کی بہادر خاں سے پھر جنگ ہوئی۔ جو عطر خاں کی مدد کر رہا تھا۔ ۱۷۶۱ء میں میاں غلام شاہ کو کابل کے دربار سے حکومت کی سند مل گئی۔

۱۷۹۰ء میں کچھ کے راجہ لاکھا کے بیٹا سے جارہ پہاڑ پر میاں غلام شاہ کی جنگ ہوئی۔ جس میں سردار میر بہرام تالپور نمایاں ہوا۔ جنگ میں راؤ کچھ کو شکست ہوئی۔ صلح کی شرط کے مطابق راؤ کی بہن کی شادی غلام شاہ سے ہونا تھی۔ مگر راؤ بعد میں منحرف ہو گیا۔ غلام شاہ نے ۱۷۶۴ء میں پھر حملہ کیا۔ راؤ ہار گیا اور اپنی چچازاد بہن کی

شادی غلام شاہ سے کردی۔ ۱۷۶۷ء میں احمد شاہ ابدالی نے میاں غلام شاہ کے حسن انتظام سے خوش ہو کر ڈیرہ غازیخان اور ڈیرہ اسمٰعیل خان کا انتظام بھی میاں کے سپرد کر دیا بعد میں ملتان کی حکومت بھی میاں غلام شاہ کے نام کی گئی۔

میاں غلام شاہ کے عہد میں انگریزوں نے سندھ میں قدم جمانے شروع کر دیئے یوں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا جہاز ۱۶۱۳ء میں دیبل کی بندرگاہ میں آیا تھا۔ ۱۶۳۵ء میں ٹھٹھہ میں انہوں نے پہلی کوٹھی قائم کی۔ تاکہ قلمی شورہ خرید کر یورپ بھیجا جائے۔ ۱۶۹۲ء میں یہ کوٹھی بند کر دی اس کے پچانوے برس بعد پھر انگریزوں نے سندھ میں از سر نو تجارت کی ضرورت محسوس کی اور ۱۷۵۸ء میں میاں غلام شاہ کی اجازت سے کوٹھی قائم کی۔ مقصد قلمی شورے کی تجارت تھا۔ ۱۷۶۱ء کو انگریزوں کو قلمی شورے کی تجارت کا اجارہ مل گیا۔ میاں غلام شاہ نے انگریزوں کو تجارت میں بڑی مراعات دی تھیں۔ مگر انگریزوں نے خود غرضیوں سے کام لینا نہ چھوڑا۔ میاں نے جب کچھ کے حملے کے موقع پر امداد کے طور پر اسلحہ کا ایک جہاز مانگا تو انگریزوں نے صاف انکار کر دیا کہ کچھ کے راؤ سے ہمارے تعلقات خوشگوار ہیں۔ اس لئے ہم جہاز نہیں دے سکتے۔ میاں غلام شاہ کا ایک آدمی علی نواز خاں بہت سا سامان لے کر سورت فرار ہو گیا۔ میاں نے اس کی گرفتاری کے لئے انگریزوں سے مدد چاہی لیکن انگریزوں نے کوئی مدد نہیں کی۔ ایک بار انگریزوں سے کہا کہ دس ہزار گولے مناسب نرخ پر بنوا دیں۔ مگر انگریزوں نے ٹال دیا۔ میاں غلام شاہ کے دربار سے وابستہ گلاب رائے ایسے لوگ انگریزوں کے اس وطیرے کے باعث ان کے خلاف تھے مگر میاں غلام شاہ نے انگریزی کوٹھی کو بند نہیں کیا۔

میاں غلام شاہ کا ۱۷۷۲ء میں انتقال ہوا۔ جب کہ سچل سرمستؒ کی عمر اس وقت اکتیس برس تھی۔ اب غلام شاہ کا لڑکا میاں سرفراز خاں تخت نشین ہوا۔ اس نے جنگ جارہ کے ایک ہیرو میر بہرام خاں تالپور کو دھوکے سے بلوا کر قتل کرا دیا۔ عوام میں میاں سرفراز خاں کے خلاف نفرت اور حقارت بڑھ گئی۔ ادھر میر بہرام خاں کے عزیزوں اور بلوچوں نے انتقام لینے کا ارادہ کر لیا۔ میر فتح خاں نے جو میر بہرام خان کا چچازاد تھا۔ خدآباد پر حملہ بول دیا، سرفراز بھاگ نکلا اور حیدرآباد کے قلعہ میں جا چھپا۔ میر فتح خاں یہاں بھی پہنچ گیا۔ سرفراز قید ہوا اور کنجیاں فتح خاں کو دینی چاہیں۔ مگر اس نے کہا کہ ہمارا سردار میر بجار خاں مکہ سے واپس آئے گا تو جو چاہے گا کرے گا۔ سرفراز کو بعد میں آخری کلہوڑہ حکمران میاں عبدالنبی نے قتل کرا دیا۔

میاں سرفراز کے بعد اس کے چچا غلام نبی کو حکمرانی کے لئے چنا گیا۔ میر بجار حج سے واپس جہاز پر کراچی آیا اور قلات کے حاکم محمد نصیر خاں کے پاس گیا۔ نصیر خان نے اسے کلہوڑوں سے انتقام لینے کے لئے کہا اور فوج کی مدد کی پیش کش کی، مگر میر بجار نے کہا کہ وہ اپنے ملک میں خانہ جنگی نہیں چاہتا اور یکہ و تنہا وہاں جائے گا میر بجار سندھ پہنچا تو سبھی عزیز و اقارب اس کے باپ میر بہرام خاں کی تعزیت کے لئے آئے اور کلہوڑوں کے مظالم کی تفصیل بیان کر کے حملہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر میر بجار خانہ جنگی نہیں چاہتا تھا۔ تاہم غلام نبی نے اسے ایک خط میں لکھا کہ وہ سندھ میں کیوں آیا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس پر میر بجار خاں نے عمرکوٹ کا قلعہ کھوسہ قبیلے سے لے لیا۔

تعلقہ شہداد پور کے علاقہ لانیاری میں میاں غلام نبی اور میر بجار خاں کے

درمیان جنگ ہوئی۔ میاں غلام نبی نے میر بجار خاں سے صلح کے لئے قرآن کریم دے کر ایک شخص کو بھیجا مگر خود اس کے وزیر تاجہ لیکھی کو اس کا علم ہو گیا اور اپنی تلوار سے میاں غلام نبی کو قتل کر دیا تاجہ لیکھی خود بھاگ گیا۔ میر بجار نے غلام نبی کی نعش احترام کے ساتھ حیدرآباد بھجوا دی۔

اس وقت حیدرآباد میں میاں نور محمد کا چھوٹا بھائی عبدالنبی تھا۔ سرفراز خاں اس کا بیٹا محمد خاں، بھائی محمود خان اور چچا عطر خاں قلعے میں بند تھے۔ چنانچہ اس خیال سے ان قیدیوں کے ہوتے ہوئے اس کا حکمران رہنا مشکل ہے۔ اس نے سب کو قتل کروا دیا۔ گویا کلہوڑہ خاندان کے پانچ افراد کو بیک وقت حیدرآباد میں دفن کیا گیا یوں عبدالنبی حاکم ہوا۔ میر بجار سرفراز کو حکمران دیکھنا چاہتا تھا مگر مجبوراً اسے عبدالنبی کو مخدوم نوح ہالائی کے مزار پر دستار باندھنا پڑی اور ملک کا انتظام میر بجار خان نے خود سنبھال لیا۔

اس اثنا میں احمد یار خاں کا بیٹا عزت یار خاں افغان لشکر کی مدد سے سندھ پر حملہ آور ہوا۔ لکھی اور شکارپور کے درمیان میر بجار کے لشکر سے مقابلہ ہوا۔ افغان لشکر بھاگ گیا۔ عزت یار خاں شکارپور کے قلعہ میں محصور ہو گیا۔ ادھر افغانستان کے بادشاہ تیمور شاہ نے برہم ہو کر سندھ پر حملہ کر دیا۔ میر بجار، عبدالنبی کے ساتھ روہڑی پہنچا اور تیمور شاہ کو صفائی پیش کی اور تیمور شاہ مطمئن ہو کر واپس چلا گیا۔ میر بجار نے سندھ میں نظم و نسق کو بہتر بنایا لوگوں کو امن نصیب ہوا۔ مگر اسی اثنا میں راجا جودھپور کے دو وکیلوں نے سفارتی نمائندوں کے روپ میں آ کر میر بجار خاں کو قتل کر دیا۔ افواہ یہ تھی کہ عبدالنبی نے یا اس کی ماں نے میر بجار خاں کو قتل کرایا ہے۔ چنانچہ میر بجار خاں کے

بیٹے میر عبداللہ خاں کی دستار بندی کے فوراً بعد میاں عبدالنبی کے دل کا چور جاگا اور اس خیال سے کہ میر عبداللہ خاں اس سے انتقام لے گا وہ سندھ چھوڑ کر قلات روانہ ہو گیا۔

میر عبداللہ نے عبدالنبی کو پیغام بھیجا کہ وہ واپس آجائے کیونکہ اس نے اپنے خاندان میں کوئی ایسا نہیں چھوڑا جسے حاکم بنایا جائے مگر عبدالنبی نہیں آیا چنانچہ میر عبداللہ نے اسی خاندان کے ایک فرد صادق علی خاں کو تخت پر بیٹھنے پر راضی کر لیا۔ صادق علی خان کا شعار فقر و قناعت تھا۔ اسی اثنا میں خبر ملی کہ مغرب سے عبدالنبی والیٔ قلات میر نصیر خان کی مدد سے حملہ آور ہو رہا ہے اور مشرق سے جودھپور کا راجہ بجے سنگھ ـــــ میر عبداللہ نے میر فتح علی خاں، فتح خان، میر سہراب خان (بعد میں خیر پور کا حاکم) اور سلطان جنگ سے مشورہ کیا اور سب سے پہلے جودھپوریوں کے مقابلے کا فیصلہ ہوا۔ جودھپور والوں سے مقابلہ ہوا تو وہ پہلے روز ہی سارا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

دوسری طرف سے میاں عبدالنبی اور والیٔ قلات میر نصیر خاں کی فوج حملہ آور ہوئی۔ میر عبداللہ اور صادق علی خاں نے اسے پل چاہلک کے قریب عبرتناک شکست دی۔ عبدالنبی کابل میں تیمور شاہ کے پاس پہنچا، جس کا ایک سردار مدد خان پٹھان پہلے ہی سندھ کے علاقے کی طرف جا رہا تھا۔ عبدالنبی اس کے پاس پہنچا۔ مدد خان پٹھان کے بارے میں مولانا اعجاز الحق قدوسی "تاریخ سندھ" میں لکھتے ہیں: "مدد خان کیا تھا، سندھ کے لئے ایک عذاب تھا، جو اس کی بھی صورت میں نازل ہوا وہ جس طرف سے بھی گذرا، آبادیوں کو تہ تیغ اور ویران کرتا ہوا چلا گیا۔ لوٹ مار میں اس کے لشکر کا یہ حال تھا کہ وہ ٹوٹا ہوا بوریا بھی نہ چھوڑتے تھے۔ اس ظالم نے پورے سندھ کو خاک سیاہ کر کے برابر کر دیا اس کے فوجی بے حق لوگوں کو مارتے تھے۔ جدھر سے بھی اس کی فوج گذری۔ آبادیاں ویرانوں

میں تبدیل ہوتی چلی گئیں"۔

اہلِ سندھ کی پکار پر میر عبداللہ نے فتح خاں، میر فتح علی اور میر سہراب خان سے مشورہ کیا کہ اب مدد خان سے جنگ کرنی چاہیئے۔ فتح خان نے انکار کیا تاہم دوسرے جنگ کے لئے تیار ہوئے اور روانہ ہو پڑے، میر فتح خان کو بعد میں احساس ہوا، اور وہ بھی ان سے مل گیا مگر کہا کہ میر عبداللہ جنگ میں پہل نہیں کرے گا، جب فریقوں کی فوجیں قریب پہنچیں تو مدد خاں کا خط میر عبداللہ کو ملا کہ ہم صرف عبدالنبی سے اس کا خزانہ نکلوانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ تیمور شاہ کے حکم کے مطابق عبدالنبی سے خزانہ نکلوا کر چلے جائیں گے ہم آپ سے نہیں لڑنا چاہتے، فتح خاں نے کہا ٹھیک ہے، میر عبداللہ نے مدد خان پٹھان کو لکھا کہ آپ دریا کے راستے خدا باد چلے جائیں اور میں عمر کوٹ جا رہا ہوں۔

مدد خاں پٹھان نے خدا باد پہنچ کر عبدالنبی سے کہا کہ وہ حسبِ وعدہ خزانہ دے عبدالنبی نے اپنے آدمی چاروں طرف دوڑائے کہ رعایا میں سے جن لوگوں کے پاس جو کے برابر سونا چاندی ہو وہ بھی لوٹ مار کر کے لے آئیں۔ چنانچہ ایک ایک آدمی کے لئے دو دو سو آدمیوں کی گردن ماری گئی دوسری طرف مدد خاں کی فوجوں نے سندھ کو اس قدر مفلس اور قلاش کر دیا کہ کسی کے بدن پر کپڑا چھوڑا نہ کسی کے سر پر پگڑی رہنے دی۔

میر عبداللہ ان مظالم کی رُوداد سُن کر پھر عمر کوٹ سے آیا اور مدد خان سے کہا کہ وہ حسب وعدہ چلا جائے، یہاں پھر فتح خاں، فتح علی خاں، میر سہراب خان اور میر عبداللہ کا اختلاف ہوا۔ فتح خاں کو اپنی صلح پسندی کی وجہ سے مدد خان پٹھان سے تکلیف اُٹھانا پڑی، میر عبداللہ خان لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔

اس اثنا میں مدد خاں خدا باد سے روہڑی پہنچ چکا تھا۔ جب فتح خاں اس کی قید سے فرار ہو گیا تو اسے یقین ہو گیا کہ اب میر عبداللہ اور یہ سب مل کر اس سے جنگ کریں گے میر عبداللہ نے اسے چیلنج بھیج دیا جس پر مدد خاں پٹھان اسی روز دریا کو عبور کر کے افغانستان چلا گیا۔ اور میاں عبدالنبی کو بے یار و مددگار چھوڑ گیا۔

میاں عبدالنبی کی روباہ بازیاں نہ گئیں۔ نواب بہاولپور کے ذریعے میر عبداللہ سے صلح کی اور دونوں خدا باد میں رہنے لگے ایک روز میاں عبدالنبی نے میر عبداللہ اور میر فتح خاں کو جو اس کے دربار میں تھے گرفتار کر لیا اور قید کر دیا۔ ایک صبح جب یہ دونوں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے تو میاں عبدالنبی کے حکم سے ان کے سر گردنوں سے الگ کر دیئے گئے قرآن ان کے خون سے گلنار ہو گئے۔

اب بلوچ سرداروں میر فتح علی خان، میر سہراب خان، میر ٹھارو خان اور میر غلام علی اللہ یار خاں نے اپنے ان عزیزوں کا انتقام لینے کی تیاریاں شروع کیں۔ ہالائی میں جنگ ہوئی اور میاں عبدالنبی کو شکست ہوئی (۱۱۹۶ھ) وہ بھاگ کر والیٔ قلات کے پاس پہنچا اور پھر بروہیوں کی امداد سے دریائے سندھ کے کنارے تک آیا، ادھر جودھپور کی فوج سے بھی کہا گیا کہ وہ میروں پر حملہ آور ہو، مگر ان کی شرط تھی کہ عبدالنبی جب دریا عبور کر لے گا تو وہ پھر پیش قدمی کرے گی۔ مگر بروہی میاں عبدالنبی سے ناراض ہو کر اور سندھ کے مغربی کنارے لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے۔ میاں عبدالنبی پھر خوار ہوا۔ اسی اثنا میں میر فتح علی خاں نے حیدر آباد کو فتح کر لیا مگر اسے افغان دربار سے حکمرانی کی سند نہیں ملی تھی۔ میاں عبدالنبی پھر افغان بادشاہ تیمور شاہ کے پاس پہنچا۔ تیمور شاہ نے سندھ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ کی حکمرانی عبدالنبی

کو اور دوسرے کی میر فتح علی خاں کو دے دی اور میاں عبدالنبی کو افغان فوج کے ہمراہ بھیج دیا۔ مگر میر فتح علی خاں فوج کی بھاری تعداد کے ساتھ جب روہڑی کی طرف روانہ ہوا تو افغان فوج ڈیرہ جات سے ہی واپس چلی گئی۔ میر فتح علی خاں کو دربار کابل سے پورے سندھ کی حکومت تفویض ہوئی۔ (۱۱۹۹ھ)

کچھ عرصہ تالپور میر کیسوئی سے حکومت کرتے رہے۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہوا میر رستم خاں چپکے سے فتح آباد سے نکلا اور روہڑی پہنچ کر خیرپور ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ میر ٹھارو خان شاہ بندر میں ریاست بنا بیٹھا۔ افغان دربار نے اس تقسیم کو مان لیا اور تینوں میروں کی طرف سے خراج کی رقم علیحدہ علیحدہ قبول کی جاتی۔ میاں عبدالنبی نے میروں کے اختلاف کے باعث موقع غنیمت جانا اور پھر تیمور شاہ سے فوج کی امداد حاصل کر کے اسی بنا پر حملہ آور ہوا اور خیرپور کے میر سہراب خان نے اسے میر فتح علی خاں کے مقابلے میں حمائت کا یقین دلایا ہے، ۱۲۰۲ھ بمطابق ۱۷۸۸ء جب سجل سرمست کی عمر تقریباً پچاس برس تھی، افغان لشکر ملتان کو زیر کرتا بہاولپور پہنچا جہاں امیر محمد بہاول قلعہ میں گوشہ گیر ہو گیا۔ دو ماہ تک افغان لشکر احمد خاں نورزئی اور بوستان خان کی سربراہی میں رعایا کو لوٹتا رہا اور رعایا بے پناہ مفلس ہو گئی۔ افغان لشکر خیرپور کے قریب پہنچا تو انہوں نے میر سہراب خان کو اپنی مدد کے لئے کہا۔ میر سہراب خان نے میر فتح علی خان کو قرآن مجید پر عہد لکھ دیا کہ میں حملہ آوروں سے جنگ کے لئے تیار ہوں آپ کے لئے چشم براہ ہوں۔ ادھر افغان لشکر روہڑی سے ہالہ کنڈی تک پہنچ گیا۔ میر فتح علی کو تیمور شاہ کا پیغام دیا گیا کہ وہ سندھ کی حکومت چھوڑ کر چلا جائے۔ میر فتح علی خان نے اہل وعیال کو کچھ اور جیسلمیر بھیجا اور خود مقابلے کے لئے

نکل پڑا۔ مگر میر سہراب خاں قرآن پر لکھے عہد سے پھر گیا اور قلعہ شاہ گڑھ میں جا بیٹھا۔ میر فتح علی خاں صرف دس ہزار فوج کی مدد سے چالیس ہزار افغانوں سے ٹکرایا اور افغان شکست کھا کر بھاگ نکلے۔

تیمور شاہ اس شکست کے بعد جوشِ انتقام میں خود مدد خان پٹھان کے ساتھ والیٔ قلات میر نصیر خان کے لشکر کی مدد سے بہاولپور کے داؤد پوتروں اور سندھ کے میروں سے انتقام لینے کے لئے آیا۔ تیمور شاہ نے پہلے بہاولنگر پر قبضہ کیا اور پھر بہاولپور میں تباہی پھیلائی۔ بہرحال میر فتح علی خاں کے سفیروں نے صلح صفائی کا راستہ نکال لیا۔ تیمور شاہ یہیں سے واپس ہو گیا۔ میاں عبدالنبی اکیلا رہ گیا وہ بہاولپور میں قلعہ ڈیراوڑ میں امیر بہاولپور کا مہمان ہوا۔ ۱۷۹۳ء میں تیمور شاہ کا انتقال ہوا۔ اس کی جگہ زمان شاہ تخت نشین ہوا۔ زمان شاہ سے عبدالنبی کی نہ بنی۔ عبدالنبی نے ۱۸۰۵ء میں راجن پور میں انتقال کیا۔ یوں سندھ میں کلہوڑوں کا عہدِ حکومت ختم ہوا۔

اب حیدرآباد پر میر فتح علی خاں، میر غلام علی خاں، میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان چار بھائیوں کی حکومت "چاریاری" کے نام سے قائم ہوئی۔ ان کے والد کا چچیرا بھائی میر سہراب خاں ریاست خیرپور کا حاکم ہوا اور میر فتح خاں کا بیٹا میر ٹھارو خاں میرپور خاص کا حاکم ہوا۔ ان تینوں میں مرکزی حیثیت حیدرآباد کو حاصل تھی اور تینوں میں گہرا اتحاد تھا۔ اس عہد میں سبزل کوٹ کا علاقہ نواب بہاولپور سے کراچی کا والیٔ قلات سے، شکارپور افغان حاکموں سے، لکھپت اور بست راجہ بھوج سے اور عمرکوٹ اور ریگستان مہاراجہ جودھپور سے واپس لیا۔

۱۸۰۳ء میں میر غلام علی خاں اور میر ٹھارو خان کے درمیان جنگ ہوئی، ۱۸۰۴ء میں حیدرآباد کے میروں اور انگریزوں کے درمیان "ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی فوجی مدد" کرنے کا معاہدہ ہوا جب کہ افغانستان کے حاکم زمان شاہ نے میران حیدرآباد کو انگریزوں سے تعلقات منقطع کرنے کے لئے کہا تھا۔ بقول اعجاز الحق قدوسی "یہ معاہدہ پہلا بنیادی طوق تھا جو سندھ میں انگریزوں کی غلامی کا پڑا"۔ نومبر ۱۸۲۰ء میں انگریزوں اور میر کرم علی خاں اور میر مراد علی خاں کے درمیان طے پایا۔

ادھر کابل میں شجاع الملک ۱۸۰۶-۷ء میں تخت نشین ہوا اور میرانِ سندھ سے خراج حاصل کرنے شکارپور آیا۔ میروں نے خاصا خراج دیا واپس چلا گیا۔ پھر خراج نہ ملنے پر ۱۱-۱۸۱۰ء میں شکارپور تک آیا، میرانِ سندھ نے پھر فرمانبرداری کا معاہدہ کیا اور خراج دیا۔ لاہور میں سکھوں کی برتری قائم ہوئی۔ میرانِ سندھ نے ان کو بھی تحفے تحائف بھیجے اور انگریزوں سے معاہدہ دراصل رنجیت سنگھ سے بچنے کی ایک کوشش تھی۔ اسی اثنا میں شجاع الملک، سردار عظیم خاں سے شکست کھا کر شکارپور پہنچا۔ چنانچہ سچل سرمستؒ کی زندگی کے آخری دموں تک سندھ میں شجاع الملک جوابی کارروائی کے لئے، سردار عظیم خاں میروں سے خراج لینے، رنجیت سنگھ ایک دھمکی کے طور پر اور انگریز اس ساری صورت حال میں سبھی مقامی قوتوں کو نیچا دکھانے کے لئے سرگرم عمل رہے، شاہ شجاع کچھ عرصہ درازا شریف میں بھی مقیم رہا جہاں سچلؒ بقید حیات تھے۔ شاہ شجاع خیرپور کے میر رستم علی خاں کے پاس اپنا سامان بطور امانت رکھ کر جیسلمیر کے راستے لدھیانے (انگریزوں کے پاس) پہنچا۔ اسی زمانے میں سندھ میں سید احمد شہید بریلوی کے مجاہدین آنا شروع ہوئے۔ یہ سارا دور خاصی افراتفری اور لوٹ مار کا دور رہے اور اس دور میں

سچل سرمست کو جو کچھ نظر آرہا تھا وہ یہ تھا۔

مکڑي ڏٺم موج ۾ تنهن ۾ سيد ملاح
مڇيون مارن اوچتو بانڪا بي پرواه
لهر بحر جا ڪم ڇاڻي شوريا دستن شاه
هند ۽ سنڌ ڄي فڪ نه آڻن مارن مُلڪ سپاه
وائڙا رکن تن مٿا ويچارا ويساه
آسرا اڻين جا آهن منجهه الله
ڏئي پاندپناه رکي ونندو راج ڪي

ترجمہ: میں نے بیچ دریا ایک کشتی دیکھی جس میں ماہر ملاح سوار تھے۔ یہ لوگ خود کو سمندر کا حاکم سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس قدر بہادر تصور کرتے ہیں کہ ہند اور سندھ ان کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ انہیں اپنے آپ پر بہت فخر ہے اور خود کو بادشاہ سمجھتے ہیں حالانکہ وہ بہت ہی مکار اور دغاباز ہیں اور جب انہیں موقع ملتا ہے تو وہ مچھلیاں شکار کرنے یعنی دوسروں کا مال ہڑپ کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کرتے۔ افسوس سادہ لوح لوگ ان پر بڑا ہی اعتماد رکھتے ہیں۔ تاہم انہیں (مقامی لوگوں کو) اللہ پر اعتماد ہے۔ وہ انہیں ان (فرنگیوں) ظالموں کے ظلم سے بچائے رکھے گا۔

جھوک شریف والے شاہ عنایت اور کھہڑا کے مخدوم عبدالرحمٰن شہید کے حوالے سے سندھ کی مذہبی فضا اور کلہوڑوں، میروں، مغلوں، انگریزوں، افغانوں اور سکھوں کے حوالے سے سیاسی فضا میں سچل سرمستؒ (وفات ۱۸۲۶ء) نے ہر چند

گوشہ گیر فقیر کی حیثیت سے دن گذارے مگر خود کو ان حالات سے الگ تھلگ نہ رکھ سکے شاہ لطیف بھٹائی کی شاعری میں ان کے عہد کی سیاسی اور مذہبی تصویر براہ راست حوالوں سے نہیں ابھرتی مگر سچلؒ کے ہاں ہر شے شیشہ ہو تی جاتی ہے۔ منصوری روایت کی پیروی میں وہ موجود کی نفی کرتے رہے۔ قاضی علی اکبر درازی "سچل سرمست، شاعر ہفت زباں" میں لکھتے ہیں۔

"سچل نے جب منصوری نعرہ بلند کیا تو علمار نے ان کو سزا دینے کا ارادہ کیا اور سرمستؒ کے پاس آئے ان کو تنبیہہ کرنے لگے کہ تم یہ کفر کیوں بکتے ہو۔ سرمستؒ نے ان سے پوچھا کہ اس جرم کی سزا کیا ہے۔ علمانے کہا اس جرم کی سزا قتل ہے۔ سرمستؒ نے علمار سے کہا کہ جس وقت آپ میری زبان سے انا الحق کا نعرہ سنیں مجھے فوراً قتل کر دیں۔ اسی اثنا میں ان پر وجد اور بے خودی کی کیفیت طاری ہو گئی اور ان کی زبان سے انا الحق نکلنے لگا۔ اس لئے علمار نے ان پر تلوار سے کئی وار کئے مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب حال کی کیفیت باقی نہ رہی تو علمار نے ان کو تمام حقیقت سے آگاہ کیا۔ سرمستؒ نے فرمایا۔ "یہ نعرہ میں نہیں لگاتا بلکہ وہ ذات باری ہی لگاتی ہے"۔

اسی نعرۂ منصوری نے انہیں منصور، سرمد، شاہ عنایت، شاہ شمس سے وابستہ رکھا۔ اسی نعرہ کے باعث فریدالدین عطار، مولانا روم اور جامی ان کے مرشد ہوئے اور اسی باعث انہوں نے پنجابی کے بزرگ شاعر بلھے شاہ کے بارے میں کہا۔

بُلھے کوں بیراگی کیتو اسی جنھاں دا شہر قصور

بُلھے شاہ برصغیر پاک و ہند کی کسی بھی زبان کے واحد شاعر ہیں جن کا ذکر سچلؒ نے کیا اور اتنے احترام سے کیا۔ پنجاب میں ان دنوں بُلھے شاہ، علی حیدر، مولوی

لطف علی بہاولپوری اور وارث شاہ کا دور تھا، جو اسی ملک کے تھے، جس پر سچل سرمستؒ گامزن ہوئے اور پنجابی کے یہ شاعر اپنے عہد کی سیاسی ابتری سے سخت پریشان تھے۔ علی حیدر نادر شاہ کے حملے پر ہندوستانیوں کو بے شرم کہہ رہا تھا۔ بلھے شاہ کہتا تھا "بُرا حال ہویا پنجاب دا"۔ وارث شاہ کہہ رہا تھا "احمد شاہ از غیب توں آ پوسی آ ادے"۔ اور مولوی لطف علی بہاولپوری پنجاب کے حُسن اور سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے "سوہنے دیس پنجاب اُتے ہے پنجتن پاک دا سایہ"۔ طرزِ فکر میں اس اشتراک کے علاوہ سچلؒ اور پنجاب کے ان شاعروں میں لسانی رشتہ بھی تھا۔ کیونکہ جسے سرائیکی زبان کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں رشید احمد لاشاری اپنی کتاب "سچل سرمست" میں لکھتے ہیں۔

"دراصل یہ ایک قدیم مشترک زبان ہے جو مغربی پاکستان کے مختلف اضلاع میں قدیم علاقوں، قدیم شہروں اور قدیم قبیلوں کے نام کی مناسبت سے یاد کی جاتی ہے مثلاً پنجاب میں پنجابی، لاہور میں لاہوری، پوٹھوہار میں پوٹھوہاری، ملتان میں ملتانی اور سندھ میں سرائیکی اور دوسرے کئی نام ایک ہی مقامی زبان کے لئے ہیں صرف لب و لہجہ کا فرق ہے۔" ص ۲۱۶

"پنجاب میں اُردو" کے مصنف پروفیسر محمود شیرانی نے پنجابی زبان کی وسعت پر کافی بحث کی ہے ان کا کہنا ہے کہ "پنجاب ملک کی زبان جس کو آج کل پنجابی کہتے ہیں اس کو امیر خسرو نے لاہوری کہا ہے۔ ابوالفضل اسے ملتانی کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یورپ کے مؤرخوں نے اس زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ۱۔ مشرقی پنجابی ۲۔ مغربی پنجابی، اور اس طرح انہوں نے مغربی پنجابی کو لہندا (سرائیکی) بھی کہا ہے" ص ۲۲۰

اور بلاشبہ سچل سرمستؒ کی سرائیکی شاعری کا لب و لہجہ وہی ہے۔ جو سلطان باہوؒ، شاہ حسینؒ بلھے شاہؒ، علی حیدرؒ، مولوی لطف علی بہاولپوری اور سید وارث شاہ کی شاعری کا ہے۔ یہ مغربی پنجابی یا لہندا کے شاعر ہیں۔

پنجابی شعراء سے سچل سرمست کا دوسرا اشتراک ان داستانوں کے ذریعے ہے جو سندھ اور پنجاب یا سندھی اور پنجابی میں یکساں وقت مقبول ہیں اور جن پر شاہ لطیف بھٹائیؒ نے بھی طبع آزمائی کی ہے اور سچل سرمستؒ نے بھی۔ ان میں سسی پنوں، ہیر رانجھا ڈھولا مارو یا ڈھول بادشاہ اور سوہنی مہینوال (سوہنی میہار) شامل ہیں۔

سچل سرمست کی اردو شاعری کے بارے میں پیر حسام الدین راشدی کے مقالہ "اردو کا مولد سندھ" میں اردو کے تین ادوار مقرر کئے گئے ہیں۔ پہلا ۱۷۰۰ء سے ۱۷۴۷ء تک جس میں ولی دکنی (۱۶۶۸-۱۷۴۴) شاہ مبارک آرزو (متوفی ۱۷۵۰) شاہ حاتم (۱۶۹۹-۱۷۹۲) مرزا مظہر جانِ جاناں (۱۶۹۸-۱۷۸۱) اور خواجہ میر درد (۱۷۲۰-۱۷۸۴) شامل ہیں جب کہ دوسرا دور ۱۷۴۷ سے ۱۸۴۳ء تک کا ہے۔ اس دور میں برصغیر پاک و ہند میں سودا، میر حسن، میر تقی میر، جرأت، مصحفی، نظیر اکبر آبادی اور رنگین وغیرہ آجاتے ہیں اور سندھ میں میر علی شیر قانع ٹھٹھوی، منشی پرس رام مشتری، سید ثابت علی شاہ، شاہو بن روحل فقیر، سچل سرمستؒ، ضیاء الدین ضیاء ٹھٹھوی اور نواب ولی محمد خاں ولی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اردو" جلد اول میں لکھتے ہیں "ان کے (سچلؒ) کلام کا بنیادی موضوع تصوف ہے۔ وحدت الوجود اور ہمہ اوست ان کا فلسفہ حیات ہے۔ عاشقی و دردیشی ان کا مزاج ہے۔ ذکر اور بے نیازی ان کے کلام کی جان ہے۔ سچلؒ کا کلام اپنی سادگی جذبۂ عشق اور مخصوص

موضوعات کے اظہار کی رچاوٹ کی وجہ سے اُردو شاعری کی مخصوص روایت ہی کا ایک حصہ ہے۔ صہ ۹۴-۶۹۳۔

جب کہ بی اے بشارت نے اپنے مضمون "سچل سرمست بحیثیت ایک ممتاز اردو شاعر" میں لکھا ہے کہ "آتنا ضرور ہے کہ انہوں نے مختلف موضوعات کو جس انداز میں اپنے کلام میں پیش کیا ہے وہ ان کے ہم عصر اردو شعراء سے قطعی مختلف اور انوکھا ہے انہوں نے شعر و شاعری کی پرانی قدروں اور روائتوں کی تقلید بھی نہیں کی۔"

سچلؒ کے سندھی دیوان کے مرتب اور سابق ڈائرکٹر تعلیمات صوبہ سندھ عثمان علی انصاری کا کہنا ہے کہ "سندھ کی ادبی دنیا میں سچلؒ ہی ایک ایسا روشن ستارہ ہے جسے زاہدوں کا ایک گروہ محض اس لئے خراج تحسین دینے میں بخل سے کام لے رہا ہے کہ اس طرح ان کے اعتقاد کو ٹھیس لگتی ہے سچلؒ کے کلام میں تصوف کی اس قدر لاتعداد خوبیاں موجود ہیں کہ وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلم گروہ کے دلوں پر بھی حکومت کرتے ہیں اور لوگ آپ کے کلام سے نہ صرف لذات لسانی بلکہ تاثرات روحانی بھی حاصل کرتے ہیں۔"

کچھ متن اور ترجمہ کے بارے میں

سچل سرمستؒ کی چاروں زبانوں کی شاعری کے سلسلے مندرجہ ذیل کتابوں سے متن حاصل کیا گیا ہے۔

فارسی ــ (۱) دیوانِ آشکار : سچل ادبی اکیڈیمی لاہور : دیباچہ، پرنسپل مخدوم امیر احمد ۱۹۵۷ء، وہی نسخہ جو خیرپور کے میر علی مراد خان نے پچھلی صدی میں شائع کرایا تھا۔

(۲) دیوانِ آشکار : مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی نمبر 3 2513 - 311 VI P1

کتابت : محمد نشان فقیر۔ ۱۴ رمضان ۱۲۴۴ھ۔ اس نسخہ پر حاجی ڈنل (بندۂ ملتان سکنہ ڈیرہ غازیخان) نے لکھا ہے "ایں کتاب معروف باسم آشکار مصنف سچل بادشاہؒ ملکیہ میاں نظر محمد میباشد"۔ حاجی ڈنل نے اس نسخے کے خالی ورق پر بلھے شاہؒ کی ایک کافی بھی درج کی ہے۔ جس کا آخری بند ہے۔

بلھا آیا اوہیں بہانے حسرت، عبرت تتے تتے خانے
گاہ مستانے گاہ فرزانے آپ انا الحق پردا واہ دلبر کیہہ کردا

(۳) مثنوی: وصلت نامہ، عشق نامہ، تار نامہ، گداز نامہ، رہبر نامہ، راز نامہ، وحدت نامہ
درد نامہ، دیوان خدائی، غزل بحرِ طویل ـــــ مرتبہ: قاضی علی اکبر درازی (روہڑی)
سندھی ـــ (۴) رسالو سچل سرمستؒ، مرتب عثمان علی انصاری
سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد (سندھ) ۱۹۵۸ء
(۵) سچلؒ جو رسالو (سندھی و سرائیکی) مرتب رشید احمد لاشاری ۱۹۵۸ء
پنجابی ـــ (۶) سچل سرمستؒ جو سرائیکی کلام، مرتب: مولوی محمد صادق رانی پوری
سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد (سندھ) ۱۹۵۹ء
(۷) سچل سرمستؒ سرائیکی دیوان، ترتیب ترجمہ: صدیق طاہر
پاکستان فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۷۸ء
(۸) حضرت سچل سرمستؒ منتخب سرائیکی کلام، ترتیب و تہذیب: محمد اسلم رسولپوری
بزمِ ثقافت ملتان ۱۹۷۷ء
اُردو ـــ متذکرہ بالا نمبر ۶ میں سے۔

دیوان آشکار کے دیباچہ میں پرنسپل مخدوم امیر محمد نے جو مندرجہ ذیل تاثرات دیئے ہیں وہ چاروں زبانوں کے مطبوعہ متن پر پورے اترتے ہیں۔

" و ایں جا باید کہ بصراحت واضح کنیم کہ سچل شاعری را ہرگز بطور پیشہ قبول نہ کردہ و گاہے قلمے بدست گرفتہ، بقوتِ فکر و تخیل شعرے موزوں نمودہ و بہ ترازوئے عروض سنجیدہ، بر کاغذے نہ نوشتہ، و نہ بر اشعارِ خود نظر ثانی فرمودہ بلکہ وقتے کہ براہِ حالت جذب و مستی طاری مے شد در آں حالتِ سُکر و بے خودی ہر چہ بر دلِ مبارکش از عالمِ غیب وارد مے شد بہ اظہار آں دریغ نمی فرمود و رفقائے کہ در آں حالت

درمحفل او موجودے بودند آں کلام را قلمبندے نمودند۔ وازایں جا است کہ شعر سچل در بسیاری مقامات از قید بحر و وزن آزادے نماید و در بعضے جاہا ردیف و قافیہ را ہم خلاف قاعدہ مستمرہ استعمال کردہ و پابندیٔ حرکات و سکنات را نیز التزام نہ نمودہ و فکِ اضافت کہ در شریعت شعرا حکم البغض المباحات دارد او را نیز بآزادی بہ عمل آوردہ و از استعمال الفاظ غریب و غیر مانوس بل از استعمال الفاظ ہندیہ و سندیہ نیز احتراز نہ ورزیدہ گویا کلامش مصداق "من نمی گویم انا الحق یارے گوید بگو" مے ناشد و بعضے از خطاہا را مے توانیم کہ بدذوقی یا کم ذوقی نو پسندگان راجع کنیم"۔

مخدوم امیر احمد نے شائع شدہ سندھی اور سرائیکی کے بارے میں بھی کہا ہے کہ "در جمع اشعار ہیچ سعی بعمل نیاوردہ۔ این عمل تا حال (۱۹۵۷ء) بموجب مقولۂ سائرہ "الآن کما کان" باقی ست۔ شاید بعد ازیں مردے از غیب برون آید، کارے بہ کند"

سچل سرمستؒ کے کلام کی ترتیب اور صحت کے لئے آج بھی "مردے از غیب" کا انتظار ہے مگر اس ضمن میں ابھی تک تو زیادہ بہتری کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ مثلاً صدیق طاہر اور اسلم رسول پوری نے جو انتخاب شائع کیا ہے اس کا متن مولانا محمد صادق رانی پوری کی ایڈیشن سے لیا گیا ہے البتہ صرف یہ تبدیلی کی گئی ہے کہ اصل میں جہاں لفظ "مینوں" ہے وہاں اکثر "میکوں" لکھ دیا گیا ہے۔ میں نے مولانا محمد صادق رانی پوری کے سرائیکی اور اُردو، عثمان علی انصاری کے سندھی دیوان، مخدوم امیر احمد کے دیوانِ اشعار اور قاضی علی اکبر درازی کی مثنویوں کے متن کو ملحوظ رکھا ہے۔ پنجابی کی املا میں بھی ترجمے کی طرح اردو کی اِملا کے قریب تر رہنے کی کوشش کی ہے اور یہ وہ اِملا ہے جو شروع سے (اللہ ڈلے کی قومی دوکان) پنجابی کے لئے مناسب تصور کی گئی ہے البتہ جنوبی پنجاب

میں "د" کی جگہ جہاں جہاں "ڈ" کی آواز بولی جاتی ہے۔ وہاں "ڈ" ہی رکھا گیا ہے۔ اسی طرح لفظ "مینڈا" جو پنجاب میں ضلع راولپنڈی سے لے کر نیچے رحیم یار خان اور ڈیرہ غازی خاں تک بولا جاتا ہے مزید جنوب میں اس کا نون غنہ تقریباً غائب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کی املا "میڈا" کی گئی ہے۔

سندھی سے ترجمہ میرے بس سے باہر تھا مگر معروف سندھی ادیب آغا خالد سلیم نے کمال مہربانی سے مجھے اس فرض سے عہدہ برا ہونے میں ناقابلِ فراموش امداد دی۔ سچلؒ کے دوہے کی ہیئت البتہ اردو کے لئے اتنی مشکل اور مختلف تھی کہ ترجمہ میں اسے روائتی روپ دینا میرے لئے لازمی ہو گیا، آغا خالد سلیم کے ساتھ ساتھ میں روہڑی کے بزرگ ادیب حاجی علی اکبر درازی صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہوں، جنہوں نے حضرت سچل سرمستؒ کے بارے میں مجھے خاصا مطبوعہ مواد عنایت کیا۔

———— جولائی ۱۹۸۰ء

سچل سرمستؒ کا شجرۂ نسبؑ

حافظ عبدالوہاب سچلؒ بن میاں صلاح الدین بن میاں محمد حافظ عرف صاحبڈنو
بن مخدوم عبدالوہاب بن مخدوم محمد حافظ بن مخدوم عبدالوہاب بن مخدوم شرف الدین بن
مخدوم موسیٰ بن حافظ علم الدین بن مخدوم شہاب الدین بن مخدوم سلیمان بن مخدوم خواجہ
ابوسعید بن مخدوم نورالدین بن مخدوم محمود بن ابوالفتح بن محمد اسمٰعیل بن محمد یوسف بن سلیمان
بن محمد بن احمد بن برہان الدین بن عبدالعزیز بن عبدالوہاب بن عبدالمطلب بن برہان الدین
بن احمد بن عبداللہ بن یونس بن محمد بن شیخ اسحٰق بن شیخ عبداللطیف بن محمد باقر بن محمد بن شیخ
شہاب الدین بن عبدالعزیز بن عبداللہؓ بن عمر فاروقؓ ابن الخطاب۔

(سچلؒ جو سرائیکی کلام)

نعت

تعارف

کل نبیاں دا سرتاج محمدؐ
بحرِ عرف ، امواج محمدؐ
قابَ قوسین او ادنیٰ
شرفِ شبِ معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھاوے
جیں دی تیکوں لاج محمدؐ
سچّل کوں غم کوئی ناہیں
کیہتا لایختاج محمدؐ

شمع شباہت رُخ دی ڈِٹھم شور گھتیندی شبّی
نا مخلوق سڈیجے اس نوں ، رنگ سمورا ربّی
رومی نہ ایرانی چالے رکھدا عزم ہے عربی
سچّل دا وِنج ڈوہاں جہاناں مشکل حل مرّبی

کل نبیوں کا سرتاج محمدؐ
بحرِ عرفان کا امواج محمدؐ
قاب قوسین او ادنیٰ
شرفِ شبِ معراج محمدؐ
امت تیری کیوں غم کھائے
اس کی تجھ کو لاج محمدؐ
سچّل کو غم کوئی نہیں ہے
کر دیا لایحتاج محمدؐ

شمع شباہت رُخ دیکھی ہوئی روشن تیرہ شبی
کیا مخلوق کہیں اس کو انداز ہیں سارے ربّی
رومی نہ ایرانی ڈھنگ ہیں وصف ہیں سارے عربی
دونوں جہاں میں سچّل کا ہے مشکل حل مرّبی

وچ درازیں دیرا

ڈاڈا، جان، محمد حافظ وچ درازیں دیرا
دست تہیں. دے اصلوں آہا سارا مقصد میرا
ہادی، مہدی، مرشد میڈا قادریہ ہے کامل
عارف عبدالحق بہر دم نال مریداں شامل
مہدی شاہ مربّی میڈا رہبر راہ ڈسیندا
حق محقق، مستی مے دی، بے شک اوہ بخشیندا
شاہ عبیداللہ اساڈا، خواجہ پیراں پیراں
آلِ نبیؐ اولادِ علیؓ ہے حضرت میراں میراں
ڈاڈا اس داغوث الاعظمؒ مرشد کُل اولیاداں
قدم مبارک ہویا تحقّق گردن سبھ سر تاجاں
کوئی اور نہ سجھدا میںوں آپے آہا ظاہر
اللہ نورالسموات والارض اوہی منظر ناظر
ولقد کرّمنا بنی آدم و کلناھم فی البّر والبحر
سچو ہر دم حاضر

شہر درازا ڈیرا

دادا مرا محمد حافظ، شہر درازا ڈیرا
ایک اسی کا فیض ہے سارا جو ہے حاصل میرا
ہادی مہدی مرشد میرا قادریہ ہے کامل
اس کے مریدوں میں ہے عارف عبدالحق بھی شامل
مہدی شاہ مربّی میرا رہبر راہ دکھائے
حق محقق، مستِ مے بھی وہ بخشے بخشائے
شاہ عبیداللہ ہمارا، خواجہ پیراں پیراں
آلِ نبیؐ اولادِ علیؓ ہے حضرت میراں میراں
اس کا دادا غوث الاعظمؒ مرشد سب ولیوں کا
اس کے پاؤں میں رُلتے دیکھا تاج اور تخت شہوں کا
اللہ نور السمٰوات والارض ہے سارا ظاہر
اس بن کوئی نہیں ہے وہ خود منظر ہے خود ناظر
ولقد کرمنا بنی آدم وکلناھم فی البر والبحر
سچو ہر دم حاضر

سندھی

وحدت

اَول پيري پَڄ ، جي بَند خيالات جا ،
تَنهِن پِڇاتا وَڃُ ، حَلاّجِي حيوت ۽ ؟

پُڻي ءَ جَڇَ نه جُل ، مَنجهه تماشي نه پَوين
گهوت ڪَري توں پاڻ کي ، ڪرهَنگاماں هُل ،
پولِ نه پَئي ڪَنهِن ڀِل ، وَڃِ حالُ حَلاّج جو

" تون " هي سان " تون " لَهين " مان " لَهاں " تو " سان ،
" تون " هي " آءُ " سَڀهين ، " لا " ۾ موجودات ٻي ،

بيرنگي ءَ مون رنگ ، پَسو جو پيدا ٿئو ،
ظاهر ۾ پٽو رَنگُ ، موسيٰ ۽ فرعون جو

بندھن خام خیال کے اپنے پہلے توڑ
من میں اپنے ڈال لے، حیرت پھیر حلاجؒ کی

جنج پرائی میں مت چل، نہ بن کوئی تماشہ
دولہا بن بارات کا، ڈال دے اِک ہلچل
راہیں باقی سب دلدل، رستہ بس حلاجؒ کا

"تو" کو ڈھونڈوں "میں" کو ڈھونڈوں پاؤں "تو" ہی "تو"
"تو" اور "یہ" اور "میں" سب دیکھوں لا میں تھے وجود

بے رنگی کے جائے رنگ ہیں، دیکھ فرق ہے کیا
موسیٰ اور فرعون کے سنگ ہیں، ظاہر میں ہیں جدا

تون جا پائين موج سامونڊ پائي مهراڻ ٿي ؛
هي اُنهن جا اوج ، جن سنبٽ سوري ۽ پارڏي

دين ڪُفر دِل دام ڏڄ مڙيو ئي موج ۾
تنهن کان پوءِ حُڪام ، هرڪنهن هنڌ تنهنجو هلي

سوز گداز ۽ غم ، ميڙيو ئي معاني ٿيو ،
مار دمامين دَم ، عاشق "انا الحق" جو

ڄاڻ نه تفاوت ، عبد ۽ الله جو ،
هوآهي اَمرت ، هي پي ڏوڏو نه اُن کون

جتي ماٺهن ميڙ آهه ، آءٌ تتي ناهيان ،
سِسي سنباهيان ، پُني ۽ شاهه حلاج جي

جي مَحِن ٿا آدمي ، سي نه مَڃان مان
ڪوئي آهيان آن ، جو بانهو ڪنهن جو نه ٿيان

تو جانے جو موج ہے وہ تو ہے مہرباں
سولی ان کا اوج ہے ، چلے ہیں مقتل اور

کفر اور دین دلوں کے دام ہیں، یہ موجوں میں ڈال
اس کے بعد ترے احکام ہیں اور دنیا محکوم

سوز و گداز اور درد و الم سے مل گئی ہمیں معافی
عاشق مارہ انا الحق دم دم فوبت گونجے ایسی

جان نہ کوئی تفاوت عبد میں اور اللہ میں
یہ بھی تو ہے امرت وہ بھی جدا نہیں ہے

وہاں نہیں ہوں میں جس جا پہ ہو رہا ہے ہجوم
کہ میرے سر میں ہیں حلاج کے چمکتے نجوم

وہ مانتے ہیں جسے اپنا راہ نما، راہ بر
نہیں غلام نہ مانوں گا میں اسے دم بھر

جهڙ ڏيا نيم پاڻ کي ، ٿهڙ ڏ آهيان آن ۽ ؛
باقي رهيو نان ۽ ، "سچو" سون صاحب جو

اهڙو ويو هاڻي کاڏي ، جنهن "سچو" سونان ۽ سڏايو !
مُکڙي ۽ منجهوئن ، ني دي ميان ، ٽيو گل پيدا ، دي ميان ،
مُنهن ڪري بينو ماڏي ۔
سُڏنه پئي ، ني دي ميان ، طرف اُنهي جي ، دي ميان
جان جُٹو ديو جاڏي ۔
اهو هلي ٿو ، ني دي ميان ، اهو چلي ٿو ، دي ميان
گوشو ڪيو دڃي کاڏي
ڏيهه ڏاڏالو ، ني دي ميان ، اڳ ڏ نوسي ، دي ميان
پلٽ ڪئي پٽ ڏاڏي !
نان ۽ "سچو ۽" جو ، ني دي ميان ، ويو اڏاهين ، دي ميان
طلب ديئي پي تاڏي

جیسا سوچا آپ کو ویسا خود کو پاؤں
بچو باقی رہ گیا مجھ صاحب کا ناؤں

وہ جو بچو کہلاتا تھا کیا جانیئے اب کس اور گیا
نرم کلی سے پھول بنا اور مجھ کو تکتا رہتا تھا
کوئی خبر نہیں جان اور جسم کو لے کے کون سی سمت گیا
کیسے کنج میں چپ بیٹھا جو چلتا پھرتا رہتا تھا
بچو تو اسی سمت گیا جس سمت سے اس کا بلاوا تھا

حقیقت

"سچو" سارو سچ ٻيو، منجهان ڪثرت ڪل
الف مؤن آدم ٻيو، ڪري هنگامون هل؛
هندو مومن سوٽيو، پول نه پئي ڪنهن پل؛
"خلق الاشياء فهو عينها" اهو آن عمل؛
ٽج ڪلا پي ڪل، مرمار نئي منصور جان

آچي او ترياءُ، گهٽ ٻيس گهوري جند ڏي
چڙهيس ڏاڍي چاه مون، مستي موج مٿاءُ
ترلهي تر ياءُ، شرط لنگهي پيس شهم

پچو سارا بیج ہے کُل کثرت کا رنگ
الف آدم ساز ہے، ہنگامے رنگ برنگ
ہندو مومن، بھول نہ، سبھی ہیں اس کے ڈھنگ
آپ بنائے اور دیکھے، سیکھ اسی کے ڈھنگ
بن جا پھول گلاب کا منصوری تیرا رنگ

جاں بکف کود گیا میں تو سرِ موجِ بلا
مستی و شوق میں اس موج کو بھی زیر کیا
دی کناروں نے صدا، میں سوئے گرداب گیا

گھڻن جي گھيڙاءُ، تانگھو عشق تن جو:
جن کي عشق عليل ڪيو، سي ايندي ون اوتاءُ
جي سُورَ چکنديُون ساءُ، ميهَرُ سي ماڻيندي ُون

ڪيم مهينالاءِ آءٌ پيلا پيلي آهيان.
اڇي آڪڙيُون ڪٽي، "سچوءَ" کي سَرچاءِ
جاني جوڙيم جاءِ تو لڳم آ ڪڙيُن ۾.

مان ڪريان تان مشرڪ ٿيان، ڪچان تان ڪافر
اِنهي عَدائي عَوَرُ، کوسمجهي "سچيڏنو" چوي

روئڻ کان نه رهن، آيَل اِهي اکيُون
سيڪنهن ديل وهن، اڻن اٿن اوهيرن جا

پیار پتن سے آنے والی کا بھی گہرا ہوتا ہے
کود پڑے جو، اس کا پاگل عشق سنہرا ہوتا ہے
مہینوال ملے پر جن کا زخم بھی گہرا ہوتا ہے

میں انجان ہوں جانیا، بولی نہ مجھے مار
ایک نظر اور خوش کر دے تو اپنا سچو یار
ان نینوں میں اپنا رتبہ دیکھ لے اے دلدار

چپ بیٹھوں مشرک کہلاؤں بولوں تو میں کافر ہوں
سچ ڈینو جو بھید کی بات ہے کس کس کو سمجھاؤں

روتے روتے بس نہ کریں اے ماں میرے یہ نین
پل پل ان سے برکھا برسے جیسے ساون رین

ڏسن ۽ رڻ ، اِهـا عـادت آکـين کي
سي سرهيُون شال هُئن ، جن کي اَشراوهيرن جا

لايون پرت پَسن ، آڏن آگـم اکـين ميڙيا
سي تان کيئن نه وسَن ، جن کي اَشراوهيرن جا

اَسان پيرين وِچ ۾ ، دور وهي درياءُ
ڇُوليُون چران ٿي ڪري ، پيرو ڇُٽي واءُ
سُٽي آهان آءُ ، ميان هِن مُشتاق جُون!

اسان پيرين وچ ۾ ، جَـرُ وهي جاري
هِـڪڙو ڪونڊ نه ٻوڙي ، ٻيون ويرُيُون ڏي واري
هُت سا جن جا ساري ، سا ڏهلي ڪين درياءَ ڪَـوُن ،

دیکھ دیکھ ساجن کو رَیں ڈھنگ ہیں میرے نین کے
شادر ہیں وہ آنکھیں جن کے سارے دیپ ہیں ساون کے

پریت لگائیں آنکھیں، دیکھیں ساجن، برس پڑیں
یہ ساون سے ملتی ہیں اور ساون برس پڑیں

ندی کنارے ساجن ہے اور بیچ میں ہے طوفان
تیز ہوا، شہہ زور ہیں موجیں، کانپے میری جان
ایسے میں میری آہیں سن کر پیا ملو تم آن

اس کے، میرے بیچ میں بہتا ہے دریا
گریں کنارے جس میں، شور مچائے موجِ بلا
ان کو کیسا ڈر جنہیں، ساجن یاد رہا

چَري چَري ۾ چئو ، چريو آهي لوڪ
جو چريئِ لڌو ٿو ڪ، سو سچو آهه نه سيڪنهين

عاشق مرندا ڪينڪي، رهندا ڪين مڪانَ ۾ ،
ديواني درياءَ جو، پيئِتئون پيالو پُر ڪري
اَجر منجهه اَمر ٿيا آهي گڏ يا ڪين جهانَ ۾
غيب ۾ جي غرق ٿيا ، تن گهاڙَ گردن ۾ لڳا
بولي هولن ٿا ٻي نڪا ، اُهي رَهن "الاَمانَ" ۾
ڪيئي پَڙهندي سال ٿيا ، روزا نمازون نفل نيَ ،
تن ڪُنن ڪَل ڪانه ڪا ، باطون جي بپانَ ۾

اس کو پاگل مت کہو پاگل خلقت ساری
اس پاگل کو ملی ہے جو قسمت کہاں ہماری

کبھی نہ آئے موت اس کو وہ رہے مکاں سے دور
اس دریا سے بھرا پیالہ پی بیٹھا دیوانہ
اجر ملا اُسے امر ہوا وہ رہے جہاں سے دور
تن گردن پر گھاؤ لگے اور غیب میں ہے مستور
ہر دم رہے اماں میں وہ تو حرف و بیاں سے دور
روزے نفل، نماز گزارتے عمریں بیت گئیں
قتل ہوئے جو وہ تو ہے باطن کے بیاں سے دور

چين ولايت گهر ڪري، گهٽي گهارن ڪينڪي
پسن هادي حق ڪي ، رهن ٿا بتيان ۾
هر دم آهي دم دوست ڏي، آهي سُونهن ٿا سرانجام ۾
سو سچو ۽ ڪي ٻي ملیو آهي گُرا جي ته گيان ۾

ٿو دوستي ۽ جو دم هٻين، پر ڪيئن ڪسي قربان ٿيئن
مهند منصوري ۽ جي تون، منجهه معرڪي مردان ٿيئن
دري صحيح "انا سرّه" تنهين اسم موٽن انسان ٿيئن
جي تو پوي سُڌ سورجي، حيرت انهي ۽ حيران ٿيئن
نعرو "انا الحق" جو هٽي، ٿي مرد سر ميدان ٿيئن
جي دم سچا ٻين پا نهنجو، تون دين، تون ايمان ٿيئن
"سچو" يڪا يڪ يڪ ٿيئن، تون شمع، تون پروان ٿيئن

ہادیٔ حق لسے دشت و بیاباں میں ہی آن ملا
چین، ولائت، دیس بدیس اور شہر گراں سے دور
آخرِ کار گیان میں سچو گورو وہ آن ملا
یاد کیا اسے ہر دم میں نے رہ کے جہاں سے دور

دم مارے یارانے کا پر ہو نہ سکے قربان
رستا اک منصوری ہے اور وہی ہے مرد کی شان
"انا سرہٗ" کے اسم سے جو ہے تو انسان
دکھ سے حیرت ملے کہ جس سے تو ہو گا حیران
آئے انا الحق نعرہ مار کے آئے سر میدان
تو جانے جب خود کو تب سے تو ہی دین ایمان
شمع پتنگا جیسے سچو ہو جائیں یک جان

سسی پنوں اور ہیر رانجھا دو ایسے رومان ہیں جو سندھی اور پنجابی کے ادب میں ایک سی حیثیت اور اہمیت رکھتے ہیں۔ شاہ لطیف بھٹائی سے لے کر شیخ ایاز تک ہر ایک کی شاعری میں ان داستانوں کے رنگ دیکھے جا سکتے ہیں۔ بعینہٖ پنجابی میں بھی ان رومانوی داستانوں کی ایک سی حیثیت ہے۔ پنجابی میں چھوٹے بڑے بیسیوں شاعروں نے سسی پنوں پر طبع آزمائی کی۔ سندھی میں سسی کی داستان یوں ہے کہ بھانبھرنامی نہر کے کنارے ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی لیکن خدا مہربان ہوا۔ اس کے گھر میں چاند سی بچی پیدا ہوئی اس بچی کے بارے میں نجومیوں نے بتایا کہ اس کا بیاہ ایک مسلمان سے ہوگا۔ برہمن بہت ناشاد ہوا۔ مجبوراً ایک صندوق میں بہت سا سامان رکھا۔ بچی کو بھی بند کیا اور صندوق ندی یا نہر میں بہا دیا۔ بھنبھور شہر میں ایک لاولد دھوبی محمد عرف لالہ رہتا تھا۔ اس کے کارندوں نے بہتا صندوق پکڑا، اور مالک کو پیش کر دیا۔ محمد نے اس بچی کو اپنا لیا جوان ہوئی تو محمد نے جو یقیناً امیر آدمی تھا۔ سسی کے لئے محل اور باغ بنوایا۔ سسی کے حسن کا شہرہ عام ہوا۔ بھنبھور اور ٹھٹھہ تجارت کا مرکز تھے۔ تجارتی قافلے سسی کے حسن کی تعریف کیچ اور مکران کے ساحلوں تک لے گئے جہاں کے حاکم آدی جام کا بیٹا پنوں تاجر کا بھیس بدل کر بھنبھور پہنچا۔ سسی نو دار تاجر سے مشک و عنبر خریدنے گئی کہ یہ قافلہ اپنے ساتھ خوشبوئیں لایا تھا۔ سسی اور پنوں کے عشق کا آغاز ہوا۔ محمد نے پنوں کو آزمایا کہ اسی کی برادری کا ہے دونوں کی شادی ہو گئی اور دونوں بھنبھور میں رہنے لگے۔ پنوں کے باپ آدی جام تک بات پہنچی تو اسے شہزادے کی حرکت سے صدمہ ہوا۔ اس نے اپنے تینوں بیٹوں چندد، ہوتی اور نوتی کے ساتھ اپنے آدمی بھنبھور بھیجے، جنہوں نے دام فریب بچھایا اور ایک شب پنوں کو نشہ آور دوائی پلا کر اونٹوں پر ڈالا اور کیچ کی طرف بھاگ نکلے۔ سسی پر پہلی صبح فراق طلوع ہوئی اور پنوں کی تلاش میں تھلوں اور پہاڑوں سے گذرتی "پب" (پالس بیلہ) کی وادی تک پہنچی۔ وہاں ایک چرواہے نے اسے ہوس کا نشانہ بنانا چاہا، سسی نے خدا سے دعا کی۔ زمین شق ہوئی اور سسی اس میں سما گئی۔ کیچ میں پنوں ماہیٔ بے آب تھا۔ باپ سے یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ پنوں کو بھنبھور سے سسی کو لانے کی اجازت مل گئی۔ پنوں تیز رفتار اونٹ پر سوار ہوا کی صورت بھنبھور کی طرف چلا مگر راہ میں وہ مقام آ گیا جہاں سسی زندہ دفن ہوئی تھی۔ اس کے دوپٹے کا پلو قبر سے باہر رہ گیا تھا۔ پنوں نے آسمان کی طرف دیکھا، دست دعا اٹھایا۔ سسی کی قبر شق ہوئی اور پنوں بھی اسی قبر میں سما گیا۔

ويُم لا لَنُ لوءِ، هي ءَ اٽاسي نندم
پُلي ءَ هيٺن نه پانيٺو، پيو پروڙن پوءِ
هوتُ وتم جي هوءِ، تا سُک گذاريون ڏينهڙا

منهن ڏيئي آيام، جبل جهاگڻ ڪيچ جا؛
طعنا تهمت لوڪ جا؛ سر چڪا چايام
پَٽ پُلي ءَ پايام، سِهرا سُور پرين جا

لڪين ڏيئي لت، پاڻ ئي ڪيان پدرو
سار ويندو وُڙيان، جيڏيون ڪارڻ بت
منهنجي ڪا مصلحت، هئي هو تياڻم؟

ڪري سات سوال، ته ڪيچن جي ڪاڪل ڏيو

میں تھی ابھاگن سوتے میں مجھے لالن چھوڑ گیا
ڈھونڈوں گی ان پاؤں کے نقشے مجھ کو خبر تھی کیا
ہوت جو ہوتا پاس تو جیون سکھ سے دیتی بِتا

بیچ کی راہ میں کیسے کیسے پربت آتے ہیں
کیا کیا تہمت اس برہن پر لوگ لگاتے ہیں
لیکن دکھ پریتم کے مجھ کو سکھ بن جاتے ہیں

پربت پربت پاؤں دھروں وہ روپ دکھاؤں میں
دندر تک اس جت کی خاطر ڈھونڈتی جاؤں میں
ہوت سبھا میں ذکر ہو میرا یہ سُن پاؤں میں

چھوڑ گئے ہو مجھ کو پیچھے کیچنیو! سُنو سوال

جا چڏياٿون ڇڏين ، موتڻ تنهن مجال
هيءَ هيءَ آڏياڻي ءَ ري ، هٿرا ٽيڙم حال
سندي هِن سنڀال ڪا هٿي هوتياڻين ؟

راتو ڏينهان رت ، اوتڻ آيم اُن ري ؛
آيل عشق عليل ، شال نه پوي قطُ ؛
جبل سپ جهاگبي وجي ، جيڏيون ڏسان جَت ؛
هِن مٿي ءَ جومَت ، پوي مذڪور پرين ؛

گونڌر گذاريام ، سي تان پلا ڏينهڙا
سيڪنهن ساعت سپرين ، ٿي صحي ساريام ؛
هي ڪشالا ڪاريام ، ساعت هڪ سمهڻ جي

ڪوڙيين قرباني ، ٿيان هوت پنهون ءَ تان
ساهه سري صدقي ڪريان ، سندن مهماني

ڈھونڈنے نکلوں میں محبوب کو ہے یہ مجھے مجال
اُس آری بن دیکھو آ کر مجھ پر پڑا وبال
ہوت کی محفل میں کہتا ہے میرا بھی کوئی حال؟

اس بن میں تو خون کے آنسو روتی ہوں دن رات
ڈرتی ہوں اس روگی عشق میں ہو نہ شک شبہات
پربت پربت روند کے جاؤں جست سے ہو ملاقات
اسی بہانے مجھ موئی کی چھوٹے وہاں پر بات

دُکھ میں جو بھی دن گذرے وہ سُکھ کے تھے ایام
ہر ہر ساعت اس کی یاد میں میں نے کیا بسرام
اِک ساعت مری آنکھ لگی، اسی کارن ہے کہرام

ہوت پنوں پر لاکھوں بار میں ہو جاؤں قربان
صدقے کر دوں ہر اک سانس کو وار دوں اس پہ جان

هي جوبن جواني، ٿي آجائي گذري،

جبل جالون جال، سومون ڏورڻ نه ٿئي
وڏا وڻ وڻڪار جا، ڪافن ڪوهه ڪشال
هي مون ڏسي حال، پارو ڇو پا جهه ڪري

هِن دم آڏي آءُ، ناهيم حال هلڻ جو
مون نماڻي ۽ ڪان ءُ، هي ٿر ٽيليون نه ٿئي

يهه سندو ٽيو ڏور، رهبر ڏي ءُ رُجَن ٻ،
ون ويڇاري ۽ مُور، هي ٿر ٽيليون نه ٿئي

جي هئي ڪميٽي ۽ ڪل، تا صبح ويندو سائڙو
تان مون نينهن مهل، پُرزا پُرزا پاڻ ڪيو

ڏکن منجهان سُک، مُون تا لذاجيڏ يون
ڏوريندي ڪي ڏک، سُونهان ٽيڙا سچٽان

یہ جوبن، یہ بھری جوانی، اُس بن، بس گذران

پربت پربت اس کو ڈھونڈوں یہ میری تقدیر
دور دنکار کی چھاؤں ہے ابھی کوہ کی ہے تعزیر
مہر کرے شائد وہ دیکھ کے حال میرا دلگیر

اٹھتا نہیں اس دشت میں اب ایک قدم بھی
آ ری تو چلا آ تجھے ڈھونڈے ہے نمانی

دور دیس ہے تیرا، ساجن مجھ کو راہ دکھا
بھٹک رہی ہوں ویرانوں میں مجھ کو پار لگا

جو میں کمینی جانتی، جائیں گے یہ کل
پرزہ پرزہ کر دیتی میں خود کو ہی اُس پل

سکھیو میں نے ہر ہر دُکھ میں پایا ہے اک سُکھ
تب پریتم کو جان گئی جب ڈھونڈن نکلی دُکھ

هَن سهانگا سُک، جي ساري عالم آئيا
ڏورمهانگا ڏک، جي ورتا درهم وارئين

سيندیون جي سُکن ، تنين گوندر گهوريا
ڏنم ڪاڻ ڏکن، هي سِرُ سارو سَت ٻَڌ

سُکيون کوه پُڇن ، سنديون ڏکن خبران؟
سي هِن وهان ۽ وڃن ، ڏيل ڏکايل جن جا

گوندر ڪيئن گهوريان جنهن ڪيس سيندي سڃڻين
جان تِڪ پيئي تنوريان ، تان ڏک موچارا سُک ڪَوڻ

جي گوندر گوشِ نه ڪن ، کهه پيون سي سرتيون
جَن سنگت ساڻ سُکن ، سي پاڻُون هوت پيري ڪيون

گوندر گهمي جي لهان ، تان سُک سوين سارڙيان
آئُ پُڻ ڪيئن پاڙيان ، ڏک سکن سان سرتيون

سب عالم کو ملتے ہیں یہ سستے سستے سُکھ
پریت کے ماروں کو ملتے ہیں ڈھونڈ کے مہنگے دُکھ

بھاگیں دُکھوں سے دیکھو یہ سُکھ کی داشتائیں
جھٹکے میں سر دیا ہے ہم نے کہ دُکھ کمائیں

سُکھ والی کیوں خبریں پوچھیں جن کی دکھ میں گذرے
ہم نے تو سُکھ جان کے پہنے اپنے جسم پہ دکھڑے

جس دُکھ سے مجھے پیا ملا وہ کیوں کر دوں قربان
دُکھ سُکھ پاس جو رکھ کر دیکھوں دُکھ کی اور ہی شان

بھاڑ میں جائیں وہ سکھیاں جو سُنیں نہ دکھ کی بات
جن کی سنگت سکھ سے ہے کبھی ہوں نہ ہوت کے ساتھ

ڈھونڈوں اور جو دُکھ مل جائیں سُکھوں کو آگ لگاؤں
دُکھ سُکھ کیسے ایک سے جانوں، سکھیو، کیا سمجھاؤں

جنين گوندر گوش ، آءُ گھٹو تَن نھاريان
جال اُنھن ۾ جوش ، سدا آھي سرتيون

سُکن واريون سوَ ، کا کا وڙهُ وارثي
ترت انھي ءَ کان تَوَ ، پگھيون آتڻ واريون

آتڻ واريون آئيون ، ٿيون آتڻ اُجاريين
جي گونڊر گذاريين . آتڻ تن اُوک ٿيو

سارولوڪ سُکن پوءِ رهايو پرين ءَ ڪئون
ڏسو واهه ڏکن ، هوتُ وهاريو هنج ۾!

متان وسارين ڏوءِ ووءِ ڪر ونڊر ۾
جي گونڊر گذارين سي تو ڇڳا ڏينهڙا

گونڊر جن گذاريو ڪاٽئون سي لهان؟
هڪڙي رات رهان ، وڃي ورهه وارثين

ان کو تکتی رہتی جوں میں جن کی دکھ سے یاری
سکھیوان کا جوش تو دیکھو میں ان کے بلہاری

سکھ سے سنگت لاکھوں کی ہے کوئی کوئی دکھیاری
دکھ کی آنچ سے رہ رہ بھاگیں آتن والی ناری

آتن والی آئی ہیں اور کریں اسے اجیارا
دکھیاری کا اس آتن میں کیسے ہو گذارا

سکھ میں رہنے والے لوگ سجن سے رہ گئے دور
ہوت پُنل آغوش میں ان کی دکھیوں کا مقدور

پکارتی رہو وندر میں بھولنا نہ اُسے
جو تیرے غم میں بسر ہوں گے دن وہی ہوں گے

جنہوں نے عمر گذاری ہے درد و غم کے ساتھ
بسر کروں کبھی اے کاش ان کے ساتھ اک رات

گوندر جن گذاريو، آءٌ تنين گولي،
هنيڙي ۾ هولي، هوندي ڏکن وارئين

گوندر جن گذاريو، آءٌ پکي تن پيهي
وٽانئن ويهي، وٽان واس ورهه جو

گوندر جن گذاريو، مُنهن تنين مهتاب
سنديون نيهن نواب، آهن ورهه واريون

ڪيڇون اچي قافلو، مون وت ٿيو مهمان
"سچل" ساري سات جو، هو آرياڻي اڳوان
مولي مهربان، بندر نماڻي ءَ تي ٿيو

ڪيڇون آيو قافلو، رات موچاري ءَ روءِ
مڙيو ڪي خوشبوءِ، ٿيو سارو شهر ٻنيپور جو

ڪيڇون آيو قافلو، ڪٽي ڪٽوري ءَ بار

میں ان کی گوالی ہوں دکھ میں جو دن گذارتے ہیں
کہ ان کے سینے تو ہولی کا عکس اتارتے ہیں

دُکھ میں عمر بتاتے ہیں جو ان کے جاؤں دوار
دُکھ کا باس میں لے لوں ان سے دو پل وہاں گذار

دُکھ میں عمر بتاتے ہیں جو منہ ان کے مہتاب
وہ تو عشق کی نگری کے ہیں صاحب اور نواب

کچ سے آیا قافلہ ہوا میرا مہمان
آری ان کا راہ نما آری تھا اگوان
کرم نمانی پر ہوا مولا ہوا مہربان

کچ سے آیا قافلہ چمکی کالی رات
شہر بھنبھور کو ملی خوشبو کی سوغات

کچ سے آیا قافلہ لایا ہے کستوری

هرڪنهن هنڌ هُبڪار، ڪيئن سارو شهر ٻيو رجو

ڪيڇون آيو قافلو، خوب ٽيس خوشحال
ڇڏو ٽيڙم حال. پسڻ ساڻ پريين ۽ جي

شال نه وسرين هوت، ٻيو سيو مون وسري
مون کي تائين موت، هئين آ ڪرين م

ويم نڪري قافلو، هاڻي ڪيئن ڪريان؟
ويڻي ڏک ڏريان، پريين ري ۽ پرڏيهم

ويم نڪري قافلو، ڏايو ڏيڻي ڏک
ويڻي ساريان سُک، جو هيڪندهيس هوت سان

ويم نڪري قافلو، ڪائي نه ٻيئي ڪَلّ
سيني اندر سَلّ. آ ٿم آري ۽ جا م جا

گهٽا ڏينهن ٽيا، مون ڏوريندي ڏونگرين

شہر بھنبھور کو ملی خوشبو کی مخموری

کچّ سے آیا قافلہ ہوئی ہوں میں خوشحال
دیکھ دیکھ کے ساجنا ہوتی جاؤں نہال

میں نہ بھولوں ہوت کو وہ مجھ کو بھولے
موت سمے بھی آنکھوں میں وہی سجا رہے

نکل گیا ہے قافلہ کیا تدبیر کروں
میں پردیسن ہو گئی بن پیتم دکھ بھروں

نکل گیا ہے قافلہ دے کر مجھ کو دُکھ
یاد کروں میں ہوت کی سنگت کے سب سُکھ

نکل گیا ہے قافلہ میں رہ گئی انجان
آدی جام کے عشق سے سینہ لہولہان

پربت پربت تجھ کو ڈھونڈتے کتنے ہی دن گذرے

جي مون سڏ ڪيا، سي ٻُڌي ٻاروچيا ورين

جي مُنهُن ٻاروچي ڏسان، تا سيٽي ٽِينَم سُکَ
ڏورتين مون ڏک، پَسَڻ ساڻ پرين ءَ جي

مون هَٿان پيٽي، ڏوهُ نه مٽن ڪو ڏيان
حال ڇوان هيٺي، هَلي هوتياڻِن کي

اٽي ويا اونار، ڪٽي سات سويل جو
هاڻي اَديون آئيا، ڏورڻ مون ڏونگار
ٻيا ٻي هوت هزار، منهنجو ٻيچ ٻُنهون ءَسان

منهنجو ٻيچ ٻنهون ءَ سان، ازل لاکون آهه
هاڻي ويهڻ ٻاهه، ٻينڙ هن پنيورم

ڪريان ڪوءِ پنيورم، در بنا ويهي
جيهي جي تيهي، آءٌ تان سندن آهيان

میں نے بلوچا تجھے پکارا شائد پلٹ پڑے

دیکھوں مکھ بلوچ کا سب دُکھ ہو جائیں دور
پریتم تجھ کو دیکھ لوں تو سُکھ سے ہوں مخمور

یہ میرا ہی دوش تھا اس کا نہیں قصور
کاش اک بار میں ہوت سے حال کروں مذکور

اونٹوں والے لے گئے اپنے سنگ مرا یار
پربت پربت اس کو ڈھونڈے بخت مرا لاچار
مرا یار پُنّل تو ایک ہے، باقی ہوت ہزار

روزِ ازل سے، عشق سے، میرا پنوں سنگ
سکھیو شہر بھنبھور میں بیٹھوں کیا کُسنگ

بن ساجن بھنبھور میں کیسے بیٹھ رہوں
جیسی تیسی ہوں سکھی میں تو پنّل کی ہوں

ڪيو ڪميڻي ءَ ڪڇ، جو سُتي سويلي رهي
اُنهي ءَ جي افسوس سين، ڪيو محبت پڇ
پنهون جام پرڇ، نامياڻن ٽي ءَ سان

پُنهون پُنهون ٽي ڪريان آءٌ پڻ پنهون پاڻ
آدبون ٽيس اَڃاڻ، جو ڪين پروڙيم پاڻ ڪي

جان پروڙيم پاڻ ڪي، تا آءٌ پنهون آهيان
ڪنهين طرف ڪاهيان، جو طرف مڙئي تُنهَ ٽيا

پيهي پروڙيوم، تان پنهون پاڻ ٽي آهيان
پاڻ ٽي منجهان پاڻ ڪي، هي ءَ پَڙلاءَ پيوم
صحيح ڪن ڪيوم، ته غير گمان اُٿي ويا

عمر اَڃاڻي گذري، ڪارن مَٽيو رنگ
مون نهاريُ نه ٿئي، سانوَلَ سارو سنگ

دوش تھا مجھ کمینی کا میں جو سو رہی
اب پچھتاوا آگ ہے سینے میں بھڑکی
جام پنوں اسے کاش اب مجھ پر ہو راضی

پنوں پنوں کرتی میں تو آپ ہی پنوں ہو گئی رے
سکھیو میں انجان رہی جو خود کو ڈھونڈ نہ پائی رے

کھوج لگایا اپنا، تھا پنوں ساری اور
ہر ہر سمت میں پنوں ہے کونسی سمت اب اور

ڈوبی اپنے آپ میں، تو میں ہی پنوں تھی
اندر سے آوازیں آئیں میں ان کو تھی جانتی
بیچ سے غیر گمان گیا، آواز کو جب سمجھی

جیون بیتا کالے بالوں نے بھی بدلا رنگ
نہ دیکھوں کہیں اور کو سکھیو کا نہیں سنگ

هِن نماڻي ۽ جرنگ، آ هاوهان تي سُپرين

وڃي ڪيچ وٽن ٿيم، ڪامل ٽئين قرار
ديچاري ٿيم وسار، جا اجهي آهي آنهنجي

وڃي ڪيچ وٽن ٿيم، ٽئين جانب جاءِ
هُوجي ادري ڪيچ ڪوُن، سي مون لڪ لنگهاءَ
پنهنجو پاڻ پساءِ، نانءَ ڀي دوست دمڙيان

هوجو ڪيچ وٽن مَوُن، اچي واءُ دريءَ،
سومون کي محبوبن جي، ڏئي خبر ڪَريِ
وڃان تام مَريِ، جان بادوچي مُنهُن ڏسان

هوجو ڪيچ وٽن مَوُن، وريو آچي واءُ
ماريون تنهن مٺاءُ، هِي ٿُسِ ڪريان صدقي

هوجا ڪيچ وٽن مَوُن، ڀي هير اچي ها ڀي

سانول مجھ نمانی کا پردے میں لیجئو ننگ

تُو تو بیٹھا کیچ میں من میں لئے قرار
جس کو تیرا آسرا اس کو تو نہ بسار

تو تو سُکھی سُکھی جا کر کیچ میں بیٹھ رہا
کیچ اور مجھ میں پربت حائل ان سے پار لگا
دم توڑوں گی راہ میں ورنہ مُکھ دکھلا

کیچ کے گل بوٹوں کو چھُو کر جب جب آئے ہوا
محبوبوں کی خیر خبر مجھے دیتی ہے وہ سُنا
سانس نہ نکلے جب لگ مُکھ بلوچ دکھائے آ

کیچ کے گل بوٹوں کو چھُو کر سکھیو آئی ہوا
ان جھونکوں پر جان اپنی قربان کروں میں سدا

کیچ کے گل بوٹوں کو چھُو کر ٹھنڈی آئے ہوا

تنھن آڏياڻي آڻي ۔ جڙُ مون سان اَڄ ملائيو

ھوجاڪيچ وڃڻ مَڻُ ، اَچي ھيرَ ھلي
مھڻ ساري گالھ سَلي ، پرِيان سنديِ پارَ جي

ھوجاڪيچ وڃڻ مَڻُ ، لڳي تيز تنوارَ
سنديِ پريان پار ، تنھن ڏنا دلاسا دل کي

مارگُ متاھون ٿيو ، مارگ چڙھي کير ؟
ساڻيچي سات سوير ، جائي مارگ تي مري

مَلھي مارگ مرُ ، تان ٿون تنين جي ٽئين
جبل ھار نہ جرُ ، ارتو اَکڙ ين مون

مارگ مرڻ آھ ، گھوريو جيڏ جيڏيون
پيرنہ پوئيون پاڻِ عاشق مرُ اڳي ٽئين

مارگ مران شال ، دعا کريجو جيڏيون

یوں لگتا ہے آری سے مجھے دیا ہے اس نے ملا

کیچ کے گل بوٹوں کو چھو کر ٹھنڈی آئے ہوا
اس نے یار کے دیس کی ساری باتیں دیں بتلا

کیچ کے گل بوٹوں کو چھو کر آئے تیز ہوا
دے دلاسے یار مجھے آ میری دھیر بندھا

منزل کیسی اونچی ہے کوئی اس تک کیسے جائے
سانجھ سویرے ساجن ڈھونڈے وہ منزل کو پائے

منزل ملے تو خوش ہو ہو کر کر دے جان فدا
خون کے آنسو رو رو کر مت کر پربت گیلا

منزل پر مرنا سکھیو اس پر جیون قربان
عاشق پیچھے کب ہٹے دے بڑھ کر اپنی جان

سکھیو کر دعا، منزل پر مجھ کو آئے موت

هوت هڻڑي حال، مانَ مٺا ن مون هٽ ڏ ئي

هُو سياڻا سُپرين ، عاجز هي ءَ آجاڻ
آڏُ ڪوهياري ڪاڻ، مٽي راهه ڏيان گهٽو

باري برهه بلوچ جو ، رڳو ئي راحت
ساريان ساساعت ، جا هيڪنڌ هُيس هوت سان

باري برهه بلوچ جو ، آهِ سنور و نورُ
راتو ڏينهان روح ۾ ، مُحبن جو مذڪور
وڃڻ آهه ضرور ، ڪاڪيون ڪيچيڙن ڏي

باري برهه بلوچ جو ، اوانداهي ءَ اوجَرُ
ساڻي آهه سَپَرَ ، سونهه چنڊ يندو چَپَرين

پنڊ عجائب پريئن ءِ جو "مان" سان ڪين هلي
سائي چاهه چَلي ، جنهن "مان" چڏي وچ ۾

مرجاؤں تو شائد مجھ پہ چھاؤں کردے ہوت

سجن سیانے، میں عاجز انجان میں کیا جانوں
میں کوہیارے کی خاطر راہوں میں روتی رہوں

یار بلوچ کے ہجر کی آگ ہے مجھ کو راحت لیکھ
یاد کروں اس ساعت کو جب میں اور وہ تھے ایک

یار بلوچ کی برہا کی تو آگ ہے نور ہی نور
میری روح میں رات اور دن بس اس کا ہے مذکور
کیچ کی مشکل راہوں پہ مجھے جانا پڑا ضرور

یار بلوچ کے ہجر کی آگ سے روشن ہوگئی رات
ساتھی میرے جیون کا نہیں چھوڑے گا مرا ساتھ

اس کی راہ عجیب ہے "میں" سنگ کوئی نہ جائے
"میں" کو پیچھے چھوڑے جو، وہ اس پر چل پائے

سوين گُٹ سندان، مان ٿي ساريان سرتيون
سگھا ٿيندا سُپرين. مون تي مهربان
ويهان ڪيئن مان ڪري، جي ءَ مٿي جَولانَ
آءٌ ڪيئن ۾ آرمان، هِهڙ و هوت وساريان؟

ڪيچيڙا ڪالھ ويا، مان ٿي اڳُٽ نھاريان
ساريو سُپرين کي، هنجون آءٌ ھاريان
گونڊر گذاريان، هيَ هيَ سارا ڏينھڙا

ڪيچيڙا ڪالھ ويا، تنگ اٽن تا ٽي
هوتن ڏي ءَ ھا ٽي، اڳُٽ نِھاري نہ سگھان

ويَئي ڪيچيڙا ڪالھ، تون اَڄ ٿي پيرنھارئين
هولنگھي لڪ سنوان ٿيا، توھِت ھِهڙا حال
ڪندئِي سارَ سنپال، وڃي ڪيچ وٽن ۾

سکھیو جن کو یاد کروں میں اُن کے گُن ہزار
چپ بیٹھوں کیسے جب مجھ پر کرم کرے مرا یار
میرے اندر اس کی پریت کی آگ کی ہے بھڑکار
ایسے گُن جب ہوت کے جوں میں کیسے دوں بسار

کچی کل گئے میں ڈھونڈوں آج اپنے آنگن
پل پل یاد کروں پریتم کو آنکھوں میں انسون
اب تو دکھ کے ساتھ ہی گذرے گا سارا جیون

کچی کل گئے اونٹوں کے باندھ کے سارے تنگ
کیا دیکھوں میں آنگن کو جب ہوت نہیں ہے سنگ

کچی کل گئے میں ڈھونڈوں ان قدموں کے نشاں
پربت پار وہ سیدھی رہ پر پہنچے کچ جہاں
بیٹھ گھنے پیڑوں کے نیچے کریں گے میرا بیان

اَڳُڻ ساڳي اوءِ، پَرَ ڪيڇن کي ڪاتُون لهان؟
ڏيي ڦَٽَ فِراق جا، پورهيت ڇڏيو ٻوءِ
هاڻي راهُن متي روءِ، سڏ ڪريندي ساڻ کي

اَڻ مُلهي آهيان، پانهي پاروچن جي،
سپ چَپَرُ ڇايان، آهُن ءِ دانهُن سين

ڏندرم ويهان، ڦولن ٻيون پرين ءَ کي
نال جنين نيهان، هوت تنين جي هنج ۾

هوت پرين هڪواري، مُون کي اچي مِلج ميان!
ڏونگر ڏورڻ مون نه ڏٺئي، ميان الا، آءُ اوري تون آري
ڪچيءَ پائي ڪپڙو، ميان الا، زور ڪريندس زاري
جا ادها نجڙي کوڻجي، ميان الا، سا تو کيئن وساري؟
هيڏون ڪنيم سرتي، ميان الا، بار برهه جو باري

یہ آنگن تو وہی ہے لیکن کیجی گئے کہاں،
دے کے زخم فراق کے مجھ کو چھوڑ گئے ہیں یہاں
کوک پکار انہی راہوں میں پھرتی رہ گریاں

یار برّ و چن کے ہاتھوں میں بک گئی ہوں انمول
اس آنگن میں سسکیں گے اب میرے دکھ کے بول

وندر میں کئی اپنا اپنا ساجن کھوج رہیں
ہوت ان کی آغوش میں جن کے نیناں لگے کہیں

ہوت پریتم، مان خدا کا نام، میاں مل جا
دشت و جبل میں ڈھونڈ نہ پاؤں مل جا آری جام
ڈال دوپٹہ گردن میں میں منت کروں سلام
اسے بھلایا جس نے جیون کیا ہے تیرے نام
کیسے ہنس ہنس سہہ گئی میں سب برہا کے آلام

ويني ڏسان واٽڙي ، ميان الا ، مونجهه اَڌان جي ماري
"سچوءَ" سندو سڃٽا ، ميان الا ، ٽيو فراق فراري

نٽي وٽي گالهه ڪا بي ، ڏي ٻيڏيون ، مون کي نٽي وڃي
آءٌ نه ڪنديس ، وي اهڙي ، پلو ميان
ڪيچن جا مون سان ڪي
اوهان مِٽڙن ۾ ، وي ، مست جو ٽيڙس
پيالو عشق جو پي
اوهين مڙيئي ، وي ، عقل واريون
آءٌ جو بيراگڻ ٿي
"سچوءَ" پچاٽا ، وي ، سپرين ، پلو ميان
کوه ڪنديس هِت کي

دکھ کی ماری راہ تکوں میں تیری صبح و شام
تیرے دُکھ نے سچّو کا کر ڈالا کام تمام

بھائے نہ جی کو بات کوئی، نہ بھائے کوئی بات
میں نہ بتاؤں میاں جو کیچوں نے بتلائی بات
عشق پیالہ پیا تو چھا گئی مستی کی بارات
میں تو ہوئی بیراگن، رہ گئے تم ہی عقل کے ساتھ
جینا میرا کس کارن جب سچّو نہیں ہے ساتھ

سندھ میں سمہ دورِ حکومت میں ایک سردار جسودھن تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی، ایک درویش نے دعا کی کہا بیٹی ہوگی مگر اسے کوڑھ کا مرض ہوگا۔ بیٹی ہوئی کوڑھ کی مریض، سب علاج بیکار گئے تو اسے دایہ کے ذریعے جنگل میں پھنکوا دیا گیا۔ کینجھر جھیل کے کنارے مچھیروں کی بستی کلبے اولاد کینجھر سردار کو بیٹی کی پیدائش پر مبارک دینے آرہا تھا کہ راستے میں اسے دایہ مل گئی۔ جس سے بچی کا قصہ معلوم ہوا تو کینجھر اس بچی کو اپنے گھر لے آیا۔ اس کا نام نوری رکھا۔ نوری کینجھر کے گھر جوان ہوئی تو اس نے اپنے بھتیجے سے نوری کی شادی کرنی چاہی مگر اس نے بھی انکار کر دیا۔ نوری چاروں طرف اپنی بدصورتی کے لئے بدنام تھی، نوری کو بھی اس کا احساس تھا وہ اپنے جسم کو چادر میں اور منہ کو ہمیشہ نقاب میں رکھتی تھی ان دنوں جھیل کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر شاہ ہونڈرو نامی بزرگ عبادت کیا کرتے تھے نوری نے ان کے آستانے کی خدمت شروع کر دی، وہ ہر روز کشتی پر اس آستانے تک جاتی، صفائی کرتی، پانی بھرتی، دیا جلاتی اور واپس آجاتی، کئی برس گذر گئے، شاہ ہونڈرو کی وفات کے دن قریب آئے تو انہوں نے نوری کو بلایا اور پوچھا بیٹا تجھے کیا چاہیئے نوری نے مرض سے نجات حاصل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، بزرگ نے اسے سات چادریں اوڑھ کر پانی کے سات لوٹے اوپر ڈالنے کے لئے کہا، نوری نے بزرگ کے دیئے پانی سے ایسے ہی غسل کیا اور پھر شہزادیوں سے بھی حسین نوری نکل آئی۔ اس کے چہرے سے روشنی پھوٹتی تھی۔ چنانچہ پہلے بدصورتی اور اب بے پناہ حسن چھپانے کے لئے وہ ہمیشہ منہ پر نقاب رکھتی، نوری اب بھی بزرگ کی خانقاہ پر دیا جلایا کرتی۔ ان دنوں سندھ کے سمہ حکمران جام تماچی (رکن الدین شاہ جام تماچی ثانی ۱۳۸۸-۱۳۹۳ء) نے جھیل کے کنارے ایک ماڑی (حویلی) بنوائی تھی اور شکار کھیلنے آتا تو اس میں ٹھہرتا، ایک رات نوری بزرگ کے مزار سے واپسی پر اندھیرے میں راستہ بھول گئی، راستہ ڈھونڈنے کے لئے چہرے سے نقاب الٹ کر روشنی کی جس کی جھلک اس وقت جام تماچی کو نظر آگئی۔ اس نے وزیروں کو اس روشنی کا پتہ لگانے کا حکم دیا تو معلوم ہوا کہ یہ نوری کا حسن تھا۔ جام تماچی نے نوری سے شادی کر لی، جھیل نوری کے باپ کینجھر کو دے دی جو بعد میں اسی کے نام سے مشہور ہوئی۔ جام تماچی کو نوری سے بے پناہ پیار تھا، نوری کی سادگی کی اداؤں نے اسے جام تماچی کی نظر میں دوسری رانیوں سے ممتاز کر دیا تھا۔ نوری نے اپنا مچھیرن ہونا کبھی نہ چھپایا اور دوسری رانیوں سے تقابل میں اپنی اس عام حیثیت کو اتنی مہارت سے استعمال کیا کہ جام تماچی اسی کا گرویدہ ہوگیا، حسام الدین راشدی مکلی نامہ کے حواشی میں لکھتے ہیں۔

"تحفۃ الاکرام" کے مطابق اس جام تماچی اور نوری کی قبریں مکلی میں شیخ حماد جمالی کے مزار کے پاس ایک حجرے میں موجود ہیں۔

نُوری

تون سَمو سردار، آءٌ ميئي مهاڻي آهيان؛
تنهنجي ءَ شفقت مهرجو، آهي ڪو نه شُمار
گندي ءَ گاندر گهرڪان، ڪيو ساري عالم عار
مٿي تنهن مَدارُ، تو ساري ءَ ڪينجهر رکيو

تون سَمو سائين، آءٌ ميئي مهاڻي آهيان؛
مون لَڄ رهائين، جو پَلئي لڳيس تا نهنجي

آءٌ ميئي مُهاڻي، تون سَمو ساري سَرَّ جو
قرب منهنجو ڪهڙو ڇاٽيو ٽو ڇاڻي
ڪاري سرڪنيم ٽي، ڇڇي ءَ ڪِکي ءَ هاڻي،

میں ہوں مہانی (ماہی گیر) تو سمہ سردار
تیری شفقت مہر کا کوئی نہیں ہے شمار
ہر کوئی دور رہے ان سے گندے گھر ہمار
کینجھر نے پر رکھا ہے تجھ پہ دار مدار

میں ہوں مہانی (ماہی گیر) تو ہے سمہ سائیں
تیرا دامن تھاما ہے تو ہی لاج بچائیں

تو سمہ سردار ہے، میں (ماہی گیر) مہانی
قربت مجھ کو بخش کے پریت مری پہچانی
میں نے بُو کی ٹوکری سر پہ اٹھائی جانی

راجا تنهنجي راض سان، ٿيس راڻن جي راڻي،
تو سما سيبا ٿي، نه ته هيس بيهودي بچڑي

چوليون جن چڪ هيُون، اَج ٿيون لالين لائُو
جُتيون جَڙائُو، پايون دَتن پير ۾

مَڪَ برابر نه ڪريان، مانڪ موتِن ساڻ
سَمو جام سُجاڻُ، جنهن جارو جام ڪُلهي ڪيو

رنگ ڪاري رُويون، هيون مڙني ملاحن جيون
سي ڪنيون ڪارن ۾ آڇن، دَرا ۽ دُويون
جت بيحد بدبُويون، اُت الله عطر اوتيا

منهن مِٽي ءَ ميريون هيون، بيهوديون بچڑيُون
گهٽ گهٽ نوري ءَ گهنگرو، جم جم ٿيون ڇيريُون
سي پاڻ سهاڳ ڏٽي، هي جي هُن هيريون

تو راضی تھا میں ہوئی رانیوں کی بھی رانی
میں بے جوڑ، بدصورت تو نے قدر ہے جانی

جن کی چولی میلی تھی مہک رہی ہے آج
ہوئیں جڑاؤ جوتیاں ان پاؤں کی محتاج

مانک موتی جانتی نہ میں مچھلی کے مول
جال اٹھا کے سمہ جام جانے تو ہی تول

ملاحوں کا جیون کیسا رنگ تھے ان کے کالے
آج آئے ہیں سر پہ اٹھائے ٹوکرے مچھلی والے
مہر خدا کی، نہیں ہے بدبو، خوشبو کے ہیں جھالے

میں مٹی کی مورت تھی نہ روپ تھا نہ کوئی رنگ
اب نوری کے گھونگھرو چھنکیں چھن چھن پائل سنگ
میں سمے کی سہاگن ہوں اور سمہ میرا ننگ

لوهاڻيون لوريون ، پارس لڳي سون ٽيون

ٻھ ڏوڏا جن ڏاج ، ڏوت جنين ڪم ڪوڻيون
انھن جو احتياج ٿو تماچي ڪيڏ وڪيي

نوري ۽ ڪيو ناز ، ٽي ريجھا ٽي داو ڪي ،
نِت نِت جام نياز ، ٿو اچيو انھن جو ڪري

تون تماچي جام ، آءٌ ميئي مھا ٽي آھيان
ڏنو تو آرام ، ڪينجھر ۾ن ڪنڌيُن کي

پَلَڪ مون پاتو ءِ ، تون راجا لڄ رھا ٽيين
سَماسُيحا تو ءِ ، ڪامل پنھنجي قُرب کي

تون سمو سُلطان ، آءٌ ميئي مھا ٽي آھيان
تون مون ڏنھن مِھربان ، مون ڪيھي ڪاڻ ڪَرَم جي

مَڪ برابر نہ ڏيان ، تو ڏي پَرين موتين ماڻ

لوہا میرا سر پر تھا ہو گیا سونا پارس سنگ

جھیل کے بوٹوں کے جڑ ڈوڈے جن کا تھا کبھی داج
جام تماچی دیکھو ان کا ہو گیا خود محتاج

راؤ کو رجھائیں پل پل اب نوری کے ناز
جام تماچی نت نت آن اٹھائے ناز نیاز

تو تھا جام تماچی میں تھی (ماہی گیر) مہانی
تیرے دم سے سکھ میں کینجھر جھیل، کنارے، پانی

میرے گلے میں ڈال کے پلو راجا نے پہچانا
میں سمہ! تیری لاج ہوں میں نے بھی یہ جانا

میں ہوں (ماہی گیر) مہانی تو سمہ سلطان
کیا پرواہ کسی کی، گر ہو تیرا کرم ہر آن

مچھلی سے برابر ہیں کب موتی کے تھال

جومون ڪميٽي ۽ ڪاڻ، جاءِ جام ڪُلهي ڪنيو

مَڪ موتين تي نہ ڏيان. توڙي هُئن پاتون پات
ڪوجهي مان ڪم ذات، برجاءِ جام ڪُلهي ڪنيو

مهاڻي ۽ جي من ۾، نہ هو ڪِيرَ بُ گا ۽
نيئن سان نازڪري، ريجها يا ٿين راءُ
سَموسَيڻي کان ۽، وَڻي و ينڊي پاڻ سان

پَلڪ لڳي آهيان، آهيان اَيا ٽي،
سَمي سُجاڻي، جاءِ جام ڪُلهي ڪنيو

فارغ ٿيَن نہ فراق کون، ريجها کين وصال
گم ٿيڻ کوڻ گم ٿيا، نڪا سرت سَنيال
اَتي قيل نہ قال، "سچو" صَمٌّ بُڪمٌ ٿيا

جام نے میری خاطر ہی کاندھے ڈالا جال

میں مچھلی نہ دوں، ہوں چاہے موتی، ہیرے لال
جام نے میری خاطر ہی کاندھے ڈالا جال

میں مہانی (ماہی گیر) دغا نہ کوئی کمایا
آنکھوں کے سو ناز تھے جن سے رائے رجھایا
ساری رانیوں سے چھینا، اپنے پاس بٹھایا

دامن تیرے میں لگی، میں بھولی انجان
جال اٹھایا سمہ نے اور مجھ کو لیا پہچان

نہ فارغ میں ہجر سے نہ ہی قرب وصال
غرق ہوئے تو غرق ہوئے گم بھی ہوئے کمال
صُمّ بُکمّ پیچو ہے وہاں نہ قیل نہ قال

یہ کہانی عمر ماروی کے نام سے مشہور ہے اور سندھ کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر ہو جس نے اپنی شاعری کے لئے اس کہانی کا کسی نہ کسی طرح سہارا نہ لیا ہو، تھر کے ایک گاؤں میں مارو قوم کے لوگ رہتے تھے ان میں ایک شخص ہالنہ تھا جس نے ایک خوبصورت رتھ بنایا۔ جسے ہرن کھینچتے تھے وہ اسے ننگر پارکر کے راجہ پھول کے پاس لے گیا۔ راجہ نے یہ رتھ اس سے مانگ لیا مگر ہالنہ نے کہا کہ اس نے یہ رتھ کسی اور بادشاہ کے لئے بنایا ہے اس لئے وہ اسے دوسرا رتھ بنا دے گا۔ راجہ پھول نے ہالنہ کو اپنے محل میں مہمان رکھا مگر رات کو ہالنہ کو خیال آیا کہ راجہ اسے مروا کر یہی رتھ نہ لے لے۔ چنانچہ وہ رات کو رتھ لے کر بھاگا۔ لیکن آدھی رات کو رتھ میں سے ایک عورت نے اسے پوچھا کہ وہ کون ہے اور اسے کہاں لے جا رہا ہے۔ یہ عورت راجہ پھول کی رانی ماڈنی تھی۔ جس سے راجہ کسی بات پر ناراض تھا۔ رانی کے بچہ بھی ہونے والا تھا۔ وہ دراصل اپنے محل میں سیر کر رہی تھی کہ اسے باغ میں کھڑا رتھ خوبصورت لگا وہ اس میں بیٹھی اور سو گئی اور اب ہالنہ کے ساتھ تھی، ہالنہ بھی واپس جانے سے ڈرتا تھا اور رانی کا بھی یہی مسئلہ تھا۔ چنانچہ دونوں ملیر آ گئے جہاں ماروی پیدا ہوئی۔ ہالنہ نے رانی ماڈنی کو بیٹی بنا لیا تھا۔ ہالنہ نے ایک لاوارث بچہ پھوگ پالا تھا وہ جوان ہوا تو خوبصورت ماروی پر عاشق ہو گیا اظہار عشق کیا تو ماروی نے جھاڑ دیا۔ ہالنہ نے ماروی کی نسبت اپنے رشتہ دار کھیت سے کر دی۔ پھوگ جل گیا اور ملیر چھوڑ کر عمر کوٹ آ گیا اور بادشاہ عمر سومرو (تحفۃ الکرام کے مطابق وفات ۷۵۷ھ یا ۷۹۳ھ) سے ماروی کے حسن و جمال کی بے پناہ تعریف کی۔ عمر بھیس بدل کر ملیر پہنچا۔ پیاسا مسافر بن کر ماروی کو سانڈنی پر ڈال کر اپنے محل میں لے آیا۔ ماروی نے لالچ اور پیار دونوں کو نامنظور کیا۔ قید میں ڈالی گئی، مگر خانہ بدوش ماروؤں کو نہ بھلا سکی۔ عمر کی دایہ نے ماروی کو پہچان لیا کہ یہ اسی خاتون کی بیٹی ہے جس کا دودھ عمر نے پیدا ہونے کے بعد پیا تھا کیونکہ عمر کی ماں سخت بیمار ہو گئی تھی۔ دایہ نے عمر کو یہ بات بتائی۔ تو عمر نے ماروی، ہالنہ اور کھیت سے معافی مانگ لی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ ماروؤں کو ماروی کی پاکدامنی پر شبہ تھا مگر ماروی چار بار جلتی آگ پر سے ننگے پاؤں گذری تو جب اس پر کوئی آنچ نہ آئی تب اس کے ماروؤں کو اس کی پاک دامانی کا یقین ہو گیا۔ اس طرح ماروی اور کھیت کی شادی ہوئی۔

ماوی

ساريم آج سنگهارَ، جن ڏٺي مون ڏينهن ٽيا
سي نَڪ لنگهي پيهي ويا، پانور منجهه پنهوار
هٽِي وينا پَکڙا هُٽِ سُکِ ٽي اجڙ وار
جن جي ساه سنيار، سي آج پنهوارپَري ٽِيا

اياکالهُون کالهه، هُيس مارن گڏ مليرم
سي ڏينهن و ٻيڙا گذري، ڇڻ منجهه خواب خيال
اج پريئن کنڊيئن پکڙا، جوڙي وينا جال
جن جي ساه سنيال، سي اج پنهوارَ پري ٽِيا

دیکھے میکے والوں کو، دن گذرے، کر لیں یاد
ٹیلے چیر کے پہنچے ہوں گے جو پانور آباد
جھونپڑے ڈال کے بیٹھے ہوں گے وہ پنھوار آزاد
دور بسوں کو یاد کروں میں، میں خانہ برباد

کل کی بات ہے مارووں سنگ ملیر میں تھی آباد
وہ دن یوں گذرے ہیں جیسے خواب کی ہوں روداد
بیٹھے ہیں اس پار وہ جھگیاں ڈال کے، ہیں آباد
دور بسوں کو یاد کروں میں، میں خانہ برباد

ٿيا پنهوار پري، آءٌ ڪن کي ڏوراپا ڏيان؟
اُنهن پا جهوڻ مارُٽي، ٿي ميان هِت مَري
نئين قَبر ڪري، ڪو اوڏي اباڻن کي

جي پيڪن پوءِ پيام، سي تا ڏيکيا ڏينهڙا
هيڻن نه پائڻ ڪا هُيم، تا کي هيڻن ڪنڌام
پر وڃي ٿر ٿيام، سي سُڌ لهندڙ سومرا

جي لويُون يڪي لوءِ، ڪڏهن اينداهاآجڙي
آج هٽي پيڪا پا نورين، عُمر وينا اوءِ
تن پنهوارن پوءِ، موتي اڇڻ نه ٿيو

جيڪس سنگهارن، اُهو ڏيهه وڻي ويو
دري هيڄ وَرَن، جي سانگَن کو سانگُ پيو

جو ڏاڏاڻو ڏيهه، مُونهوَن مورنه وسري

دور پنھوار ہوئے ہیں کس کو اپنا دُکھ بتلاؤں
ان کی خاطر مارو دیس میں، یہاں پل پل مرتی جاؤں
لاڈ بلا میرے میکے والے، قبران سے بنواؤں

بچھڑ کے میکے والوں سے آئے دُکھ کے دن ملول
ایسی توقع بھی تو نہ تھی جائیں گے مجھ کو بھول
میری خبر تو لیتے والے، بسے ہیں تھر کی دھول

لوئیاں لے کر آنے والے وہ میرے چرواہے
عمر وہ جھگیاں ڈال کے مجھ سے کتنی دور ہیں بیٹھے
وہ میرے پنھوار جو اب تک لوٹ کے بھی نہیں آئے

شائد میکے والوں کو وہ دیس گیا ہے بھا
شائد وہ پھر لوٹ آئیں یہاں برسے جب برکھا

بھول نہیں سکتی میں پل بھر اپنا میکا دیس

سوڏاتر لئہ ڏيکا رمُون ، سومرا ساٹيہ
ريءَ پنهوارن پرڏيہُ ، هيءُ مڙيوئي پائيان

وس نہ وساريام ، سُرها وَڻ ساٹيہ جا
اُهي هيڪنڊ ڏينهڙا ، ٿي گذ جي گذاريام
ياد ڪيون سي ڪيڏو ، سانگي سنياريام
اوڏنهن آڏاريام ، ڪَل لَهَڻ لئہ ڪانگڙا

هيس ڪير ملير ، هِت ٿي آيَس ڪير ؟
ٻيڪس پيڙم پير ، فقط لڳ فِراق جي

ڪاٿي آءُ هُياس ، ڪاٿي آيَس سومرا ؟
هُتان هِلي هِت اچي ، پوڻن منجهہ پياس
هنجن هابُ ڪِياس ، وڇوڙي جي ڏينهڙي

مون کي رَبُ رکي ، شل پَردي سان پناهَ ۾

سومرا مجھ کو دکھلا دے اک بار تو میرا دیس
مجھے پنھواروں بناں ہوا ہے دیس اپنا پردیس

بھول نہ پاؤں اپنے دیس کے مہکے ہوئے اشجار
اُن سنگ، ان کے سایوں میں اک جیون دیا گذار
یاد کروں بولوں کو تو یاد آئیں اپنے سنگھار
ان کی خبر لینے کل کاگا بھیجا ہے اس پار

کیا تھی میں مٹیر میں یہاں آ کے بن گئی کیا
ہجر فراق نے کیسا کیسا فرق کیا پیدا

میں تھی کہاں اور اب ہوں کہاں سُن سومرا اے سردار
وہاں سے چل کر یہاں جو آئی دُکھ کی ہے یلغار
ہجر کے دن ہیں اور آنکھوں سے پھوٹ رہی ہے دھار

یارب رکھیو پردہ میرا دیجیو مجھے پناہ

تہ هٹان منجهه پکي ، عُمر اَباٹَن جي

پَلَک نہ ٿيان پاسي ، شل عمر اباٹن کوڻ؟
گڏ گڏيين هاسي ، سين سان سي سومرا

ڪاڏي آج رهي ، آءٌ ڪاڏي اَباٹان ؟
هاڻي نہ ڄاڻان ، تہ ڪا موڻي ملندیس مارئن

ڀهانگيڙن لَئہ جِيءُ ، هِت عمر آهه اُباڻڪو
نئي گڏائج اُن سان ، حال منهنجو تا هيءُ
سانگيڙن ۾ سي ءُ ، آهه ايا ٽوڻي تانهنجو

پَري ٿين نہ شال ، هُتن اوڏائي اَجَڙ ي!
اُڏي ويڻي اُن جا ، اٿم خواب خيال
سداسانگيڙن جي ، مون کي ساه سنيال
هِت مون هيڙا حال ، هُت عتاب اُنهن جا

میکے والوں کی جھگیوں میں عمر بسوں میں جا

عمر نہ بچھڑوں میکے والوں سے میں پل دو پل
سو مرا میرے سنگ تھے وہ میں ان کے سنگ تھی کل

آج کہاں پر میں ہوں اور ماروی ہیں آج کہاں
یوں لگتا ہے ان سے ملنا وہم، خیال، گماں

عمر اداس ہوں ان کے لئے جن کا جنگل ہے باس
مجھے ملا دے جا کر ان سے میں ہوں آس نراس
میرے سنگیوں پر ہے آج بھی تیرا خوف ہراس

شالا مجھ سے دور نہ ہوں وہ سدا رہیں مرے پاس
اٹھتے بیٹھتے مجھ کو ان کا خواب خیال قیاس
یاد کروں پل پل سانگھیڑے اور بندھاؤں آس
یہاں مرا یہ حال وہاں پر ان کو سو وسواس

عمر آباڻن ري، آءٌ تان ڪو جهي آهيان
هي ءَ لوئي نه لاهيان، جا آهه نِشاني اُن جِي

ديگستاني راڄ جي، آءٌ گاهه ڪريان ڪيهي
ڪن پَچارون پاڻ ۾ ، سي واري ءَ تي ويهي
تہ "ايندي ماروئين مارئي، شل پڪن ۾ پيهي"
اُڪنڊ مون ميلاپ جي، آهه جهانگن کي جيهي
منهنجي تن تيهي، آهي سڪ سنگهارن جي

جهانگي جهڙ پياڪ، ناهِن شربت هيروان،
گاڙهيون ڪارين لوئيون، پهرڻ تن پوشاڪ
لاهج لوئيڙن تان ، الله لڳِ اولاڪ
جوڪن هڏنهن ڪانڪا، عُمر پي اِملاڪ
ڪارڻ پرود پاڪ، مون کي ميڙ ٻين مارئين

عمر بناں میکے والوں کے میں بدصورت ہوں
چادر ان کی نشانی ہے سدا اپنے سر پہ رکھوں

ریگستان کے رہنے والے آج کی بات بتاؤں
ریت پہ بیٹھ کے جو کرتے ہیں باتیں وہی سناؤں
"اک دن ماروی آجائے گی واپس اپنے گاؤں
ان جھگیوں میں ماروی اک دن پھر رکھے گی پاؤں"
جتنا ملنے کو میں تڑپوں اس سے سوا انہیں پاؤں

تیرے شربت کو کیا سمجھیں لسّی پینے والے
تن پوشاک ہیں سُرخ اور کالی شالیں اور دوشالے
عمر خدا کا واسطہ ان کے دل سے خوف ہٹالے
لسّی لوئی کل جاگیر ہے ان کی، پھریں سنبھالے
مجھے ملا دے، رب کا واسطہ، لسّی لوئی والے

مينهن وسندي مان ، ويڙهيچن ويندياس
لوئي ساڳين لوءِ جي ، نال وڃي نيندياس
وڃي ٽڙيندياس ، ڏک سُک پائي سومرا

ريگستاني رنگ ، جي ٿون پسين سومرا
ته ميان ماروئڙن ٿوڻ ، ظالم لاهين زنگ
جوتاکون تنهنجي تاب کوڻن ، جهانگي داسن جهنگ
نامياهي ٿون ننگ ، نيٺي رساڻين راڄ ۾

مينهن وسندي مون ڏٺا ، هي پکا پنهوارن
گاڙهيون آڀيون لوئيون ، کيا سهج سنگهارن
اُهي عام خلق کوڻن ، ٿا گوشي گذارن
منهنجي آڇڻ سنديون ، ٿا واتان نهارن
سانگيڙا ساڻيهه ۾ ، پيا نت نت سنيارن

مارووں سے ملنے جاؤں گی جب ہو گی برسات
لسّی لوئی لے کر ان کے ہاتھ میں دوں گی ہاتھ
سومرا میں ٹھہر جاؤں گی مرا دکھ سکھ ان کے ساتھ

سومرا گر تو دیکھ لے ریگستان کے رنگ
ظلم سے روکے ہاتھ تو دل نہ ہو ترا سنگ
مارو تیرے خوف سے جا چھپے ہیں بیلے جھنگ
مجھے حوالے ان کے کر، میں ہوں ان کا ننگ

مینہ برسا تو میں نے دیکھے جھگیوں میں پنھوار
لال اور کالی لوئیوں سے سینگھارے کریں سنگھار
خلق سے ہٹ کر گوشے میں جو جیون دیں گذار
میں کب اُن تک جاتی ہوں میری راہ تکیں ہر بار
نت نت مجھ کو یاد کریں میری خاطر کریں پکار

هي ڳالهيون ٿيون ڳارن، سون کي ماروئڙن جون

کوجو وريو واءُ، اَڄ پڙ مُلڪ مَلير ڏنهن
جَڏُ آيم اَباڻائُ، ما ٻُهو مونائيڻ جو

لَٽو ڦوڙائو، وريو ورق وصال جو
وري وطن آئيا، ريگ لنگهي راڻو
"سچُو" چوَ ي ساڻو، ٿيو موتي مُلڪ مَلير جو

سداهڻ سُکيا، ماروئڙا ته مَلير ۾
شَل نه ڏينهن ڏکيا. اَچن اَجَڙين تي

سدا سَرها هونِ، ماروئڙا ته مليرِ
مٽي پنهوارن پون، مِهَر جا شَل مِينهڙا

ميان ماروئڙن تي، مِهران وسن مِينهَن
شَل نه ڏکيا ڏينهن، اَچن اَجَڙين تي!

مارو‌ؤں کی۔یہی باتیں مجھ کو جان سے گئی ہیں مار

ملک ملیر سے آج تو ایسی ٹھنڈی چلی ہوا
کوئی مجھ کو لینے آیا، میں نے یہ سمجھا

وصل کا آیا باب گیا وہ ہجر سماں دلگیر
اپنے دیس میں مارو آئے ریت کے ٹیلے چیر
سچو کہے سرسبز ہوا ہے پھر سے ملک ملیر

مارو رہیں ملیر میں سدا ملے انہیں سکھ
رب نہ کرے انہیں جیون میں پیش آئے کوئی دکھ

مارو رہیں ملیر میں سکھی سدا رہیں
اور پنھواروں پر ہوتی رہیں مہر کی بارشیں

برسے میرے مارو‌ؤں پہ بارش کا ہر سکھ
رب نہ کرے انہیں جیون میں پیش آئے کوئی دکھ

سداسي ساڻيھ ۾ ، سُکيا ھُئن سنگھار
پکي مَنجھ پنھوار، شل ھُئن ھميشه سَرھا

ساڻين سنگھارن جو ، رکج پَن پکي
کوٽي تانه لکي، ھُئن سَدا ڄين سَرھا

سنگھاري ساڻيھ ، شل ھُئن سَدا ڄين سَرھا
وڃن نه پرڏيھ ، خوش گذارن اُتھين

جاتي واري ءَ ڏنو ، تا تي اڏن پکڙا
پاڳين لَٽَا پَو ، سدا رھن او سَرھا

وري وسايو ، مالڪ مُلڪ ملير جو
سوائي کون اُجرو ٿيو ، سائو سَوايو
آکي اکھايو. "سچو ءَ" جو سوال ڪيو

ايان ڪنون ڪِنو ٽيُون ، ته سانگين ساھ پوي

میکے والے خوش رہیں اپنے دیس سدا
ماردو اپنی جھگیوں میں سکھ سے دیں بِتا

سائیں میکے والوں کی جھگیوں کی تو لاج
دُکھی ہوں نہ، سُکھ بسیں جب تک تیرا راج

میکے والے خوش رہیں سدا ہی اپنے دیس
خوش گذران سدا ہو ان کی جائیں نہ پردیس

ریت کے ٹیلے جہاں بھی ہوں وہاں بنائیں گھر
چرواہے سدا خوش رہیں، رہے نہ کوئی ڈر

ملک مکبیریں مالک نے پھر بارش برسائی
چہرا دُھل گیا دیس کا ہریالی لہرائی
سچّو پوری ہو گئی لب پہ دعا جو آئی

بجلی چمک رہی ہے آئی ماردوں میں بھی جان

وَسي ترتارِ ڪَن ، نيَون ۽ نوٽيون
جاتي هُئُن جوٽيون، تاتي آجڙي آرام ٿيا

مون ڪَون وسَرن ڪِينَڪِي ، اُهي عُمر ويلڙيُون
چاريم وڏي چاهمون، ڏي ڇيلاءِ ڇيلڙيُون
ڏي ڪيڏيم ڪيلڙيون ، سرتِن سان ساڻهم

اَوس اڏن سومرا جوڏاري ڇَوڙا
تَن ۾ سانيي رکن سامهان ، ڏٺ بَهون ڏوڙا
ڏَڪَ ڏکي ڏوڙا ، صبح کا ٿن خوش ڏي

ڪَربن ڇوڪِلان ، سانگِيڙن تي سومرا
سارهسوتِن تي ، لاهه ٽوڪان آڻُون ٽهلان
هي جي موتن جون مَهلان ، ڏي محلن منجهه گڏايان

مون جالِيوسان جَن ، موتِي تن نه پُڇيو

بھر جاتے ہیں تال تلیا میسنہ برسے جس آن
دیکھ کے پانی ڈیرے ڈالیں مارو میری جان

عمر بھلا دوں کیسے میں سماں جو بیت گیا
گلہ بھیڑوں بکریوں کا میرے آگے تھا
میں سکھیوں سنگ کھیلتی رہتی تھی سدا

وہ بنائیں جھونپڑے سوہرا اے سردار
جنگلی پھل پنیر سنبھال کے رکھیں وہ ہر بار
صبح سویرے کھائیں گے خوش ہو ہو پنھوار

میرے سانگھیڑوں کو سوہرا طعنے کیوں دیں لوگ
کر آزاد مجھے مٹ جائیں ان کے سارے روگ
تیرے محل میں موتیوں سے پل میں نے کاٹے جوگ

جن سنگ جیون میں نے بتایا پوچھیں نہ میری بات

حال هن جون خبران ، پيون هوندين ڪَن
تان پي مارومن ، وارُ نه ڪڏنهن وسريا

توڙي هونہ پُڇن، آءٌ گهٽو پُڇان تن کي
عُمر آءٌ مڇُنڊ ، تن ڪَوَن ويان وسري

اڄ سنگهاري ساريا ، مون مِينهَن وسندي سومرا
ڳوڙها ڳاڙاتي ٻنا ، هِن هَنجُن مون هاريا
ياد ڪريندي تن کي ، يارڻ جَڙُ ٻاريا
هِت "سَچوءَ" سَنيارِيا ، هُت سنيار "سَچوءَ" جي

عُمر اَيا ڪپڙا ڪاٽيارِيُون ڪَن ڪِيئَن؟
جهڙي آيَس جيئَن ، شل تهڙي مارَن ڏي ويان!

ڪِيئَن ڪاٽيارِيون ڪن ، ڪپڙا اچا عُمر جامَ؟
تُين پنهواريون پَت ۾ ، مِهڻي هاب مُدامَ

خبر انہیں بھی ہو گی جو کچھ بیتی ہے مرے ساتھ
اک پل میں تو بھول نہ پاؤں ماروؤں کے حالات

بے شک میری بات نہ پوچھیں، میں پوچھوں ہر پل
عمر نہ دن آئے ہو جائیں آنکھ سے وہ اوجھل

دیکھ برستی برکھا کو مجھے مارو آ گئے یاد
ہار پروؤں اشکوں کے سُن اشکوں کی فریاد
آگ سی من میں بھڑک اُٹھی جب آئی اُن کی یاد
سجو ان کو یاد کرے وہ کریں سجو کو یاد

اُجلے کپڑے ان کے کب ہوں جن کے عیب ہزار
عمر میں آئی جیسی، ویسی جاؤں ان کے دوار

عمر نہ اُجلے کپڑے پہنیں جن کے عیب ہزار
ماروؤں کو میری خاطر طعنے دیتا ہے سنسار

آهين سومرا تو سام. تم ڏوڻي ڏ جي لڄ هي

هن ڏوڻي ڏ جي لاج ، شال رهجي اُڇي سومرا
تم مرُبڊي خوش ٿيين ، ڏيگستا ڪني واج
سانه ڪائي ڪاج ، جا قيد ڪئي توکوڻ

روڻان زار و زار ، يار ، مانَ مارن کي ملان آڏ
ڏيان ڏوراپا ڪن کي . پري ٿيم پنوهار ، يار
ولي ويڻا پاڻ سان . منهنجو ساهُ سنگهار ، يار
اهو ٿم آسرو ، ا ٻيندم اجڙوار . يار
ڪندا مُهڙ مليرڏي ، ڏڻ ڇڊي ديدار ، يار
سوڊم گونڊر گذري ، جو دم اُن ري ڏ ڏار . يار
پيڪ مُون پڇا ٿين ، سومرا سردار ، يار
راتو ڏينهن او ڏهين ، "سچوڏ" ساه سنيار ، يار

میں ہوں امانت، لاج لوئی کی رکھنا اے سردار

سومرا رہ جائے، رب چاہے، اس لوئی کی لاج
یہ سُن کر کتنے خوش ہوں گے ریگستانی آج
تیری قید میں شاہی کھانا، کھایا کل نہ آج

روئی زار و زار، ملیں میرے مارو یار ہو یار
دکھڑا کسے سناؤں میں دور ہیں میرے پنھوار ہو یار
اپنی جان کے ساتھ ہیں جو ہیں مرا سنگھار ہو یار
آئیں گے، مجھے آس ہے، میرے پہریدار ہو یار.
پلٹیں گے وہ ملیر کو، چھوڑ کے وحشت زار ہو یار
مارو بناں ہر سانس مری سانس ہے یا تلوار ہو یار
میکے کو بھجوا دے سومرا اے مرے سردار ہو یار
سجن کو دن رات ہے ان کی سانجھ سنبھار ہو یار

اوڏاهوُن آيا ، مون ڏي عنتاب ، آباڻن جا
هي ڏيهُ ويڙهِ وسري ، اِتي ڏينهن وڃي تولايا
ياداسان کي ڪين ڪيڙي ، مُنجهائين ٿمايا
ڏينهن اسان ري ٿَ گذري ويڙهي سپ آجايا
گهٽامينهن مَلير ڏي ، والي ٿَ وري وسايا
تُنهنجي ڏسڻ لئه ، هِت سانگي سِکايا
سائين ٿَ "سچو" سڳهڙا ، مون کي ماروملايا

ڪانگڙا قَريَبن جا ، تو کي ڪالهه اُڏايو ڪن
وَتئُون ويڙهيچن
آسرونديي آهيان ، مَن کو پيرو ڪن
وَتئُون ويڙهيچن
پَڪا پَڪن سامُهون ، اوڏامان آڏِن
وَتئُون ويڙهيچن
"سچو ٿَ" جي به سَريَرم ، دونهان روزدڪن
وَتئُون ويڙهيچن

میکے والوں سے آیا، مجھے غصّہ بھرا سندیس
کتنے جگ تجھے بیت گئے وہاں اپنا دیس بھلایا
ہمیں نہ تُو نے یاد کیا، مایا نے تجھے اُلجھایا
ہم سے دُور جو گذرے ہیں دن ہوئے وہ تیرے ضائع
رب نے آن ملیر پہ دیکھو کیسا مینہ برسایا
اس برکھا نے مارُوؤں کو کس کس ڈھب سے ترسایا
سائیں سچّو نے کرم کیا، مجھے مارو آن ملایا

اے کاگا رے ساجن کے، کل کس نے تجھے اڑایا
مارو دیس سے آیا
آس لگائے بیٹھی ہوں، ابھی آیا، کوئی آیا
مارو دیس سے آیا
آئے بنائے کُبّا سامنے میرے دیس کا جایا
مارو دیس سے آیا
سچّو ترے سر پہ سے اُٹھ کر دھوآں سا جو لہرایا
مارو دیس سے آیا

میرپور ماتھیلو پرگنہ میں راجہ نند کی سات بیٹیاں تھیں سب سے بڑی سومل اور سب سے چھوٹی مومل۔ سومل سب سے عقلمند اور مومل سب سے خوبصورت، راجہ نند نے ایک قیمتی اور طلسمی ہار مومل کو سنبھالنے کے لئے دیا مگر اس نے ہار ایک جادوگر سنیتل کو جوجوگی بن کر آیا تھا دان دے دیا۔ جادوگر نے اس ہار کی مدد سے راجہ نند کا خزانہ اڑا لیا۔ راجہ سخت پریشان ہوا۔ سومل نے باپ کو تسلی دی اور مومل کے شہرہ آفاق حسن سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دیا اور کاک ندی کے کنارے ایک طلسماتی محل بنایا۔ سب راجاؤں کو کہلا بھیجا کہ جو راجہ محل میں مومل تک پہنچ جائے گا اس سے شادی کرے گا اور جو نہیں پہنچے گا وہ اپنا سارا خزانہ محل والوں کے حوالے کر دے گا۔ بے شمار شہزادوں نے قسمت آزمائی ناکام ہوئے کچھ مارے گئے کچھ جوگی ہو کر جنگلوں میں بھٹکتے رہے ایک ایسا ہی جوگی عمرکوٹ کے سومرہ حاکم ہمیر (تحفۃ الاکرام کے مطابق وفات ۸۴۳ھ) کو ملا جو اپنے وزیروں رانو، جیندھرا ڈنور اور سنھڑو کے ساتھ شیر کا شکار کرنے نکلا تھا۔ ہمیر کو مومل حاصل کرنے کی خواہش ہوئی۔ چاروں کاک محل پہنچے۔ ہمیر، ڈنور اور سنھڑو ناکام رہے رانو کاک محل کی بھول بھلیاں خوفناک کرنے والے طلسم اور عقل کے داؤ پیچ سے گذر کر مومل کو پانے میں کامیاب ہو گیا۔ واپس ہوا تو ہمیر حسد سے جل گیا مگر راجہ کے ڈر کے باعث رانو نے کہا وہ کامیاب نہیں ہوا وہ واپس عمرکوٹ چلے گئے مگر رانو اداس رہنے لگا۔ راجہ ہمیر کو بھی پتہ چل گیا کہ رانو نے جھوٹ بولا ہے بہرحال جب رانو نے اصرار کیا تو ہمیر نے مومل کو دیکھنے کی خواہش کی اور رانو کے ساتھ چرواہے کے روپ میں جانے کے لئے تیار ہو گیا کاک محل پہنچا تو اسے مجبوراً گائے دوہنی پڑی واپسی پر ناراض ہو کر رانو کو قید کر لیا جسے اس کی بہن کھمن نے جو ہمیر کی چہیتی رانی تھی آزاد کرایا۔ اب رانو نے ایک ایسے اونٹ کا انتظام کیا جو عمرکوٹ سے ایک رات میں کاک محل جا کر صبح تک واپس آ سکتا تھا۔ سو کوس کا یہ فاصلہ رانو ہر رات طے کرنے لگا مگر راجہ ہمیر کو پتہ چل گیا اس نے اونٹ مروا دیا۔ رانو کو اسی نسل کا ایک اور اونٹ مل گیا۔ راجہ ہمیر کے علاوہ مومل کی بڑی بہن سومل کو بھی رانو اور مومل کی شادی پسند نہ تھی چنانچہ اس نے ایک روز ایک چرواہے کو بتایا کہ جس نے رات کے وقت آتے رانو سے طنزاً کہا کہ مومل سنیتل جادوگر سے عشق کرتی ہے جو آج رات آیا ہوا ہے۔ سومل اس رات مردانہ لباس پہن کر مومل کے ساتھ لیٹ گئی۔ رانو نے یہ منظر دیکھا تو اسے چرواہے پر اعتبار آ گیا وہ مومل کے پاس اپنی نشانی چھوڑ کر عمرکوٹ واپس چلا گیا، مومل جوگن بن کر عمرکوٹ میں رانو کے محل کے سامنے رہنے لگی۔ جب رانو کو پتہ چلا تو اس نے اب بھی مومل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مومل نے چتا جلائی رانو کو یقین ہو گیا کہ مومل بے گناہ ہے مگر جب وہ مومل کے پاس پہنچا تو مومل آگ میں کود چکی تھی، رانو بھی بے خطر اس آگ میں کود پڑا شمع محبت کے دونوں پروانوں کا یہ انجام تھا۔

مومل رانو

آءُ راڻا ڏي رَنگُ، موتي کاڪ ڪندن کي
لاهِج لڳي خداءِ جي، ذرد پُرزو زنگُ
نامياڻن پارَ ج ننگُ، مهڻي هاب مٽائن ڪرين

مومَل مهڻي هابُ، راڻا ڪرنہ راءَ تون
جوئين کي جوابُ، مرد نہ ڏين مينڊرا

هِڪ جُوءِ ٻي جوءِ، ڇَڏن ڪين جوان
اُهي پي انسان، جي ننگن تي نِثارُ ٿيا

ڪاتي ءَ ري ءَ ڪهي ڇڏيو، راڻا سنهنجي رنج
سُکن ۾ سَهنج، سوڍا ساڻ ڪُٽين وئين

آ رانا آ کاگ کنارے اپنے رنگ میں رنگ
نام خدا اس من سے دھو دے جو ہے اس پر زنگ
مت دلوانا طعنے مجھ کو رکھنا نام اور ننگ

راؤ اپنی موتل کو تو طعنے نہ دلوانا
مرد نہیں جو چھوڑ کے جائے اپنی بیوی رانا

زن، زمین نہ چھوڑ کے جائیں مرد ہیں جو جی دار
اِک وہ تھے جو اپنے ننگ و نام پہ ہوئے نثار

ترے رنج نے چھُری بناں مجھے کیسا رکھ دیا کاٹ
رانا، میری خوشیاں لے کر گیا ہے تو کس گھاٹ

ڪاڪ پُڇندا ڪاپڙي ، ويا اڏ ڏينڊ
وڃي رسيا اُن هنڊ ، جت "مون تون" آهي ڪانڪا

ڪاڪ پُڇندا ڪاپڙي ، وڏي ڏويل ڏيا
لُڊاٽون لنگهي ڪري ، ڪنهن پرئين پنڊ پيا
اُتي ٽاڪ ٽيا ، جتي "مُون تُون" هڏ نهن ناه ڪا

لنگهيا لُڊاٽو ، اَٽون ڪاڪ چڏيائون پوءِ تي
تاتي وڃي رسيا ، جا تي مومل نه راڻو
نڪا مسجد تڪيو ، اُت نڪو ٽِڪاڻو
تاتي ٽِيُن ٽاٽو ، جتي "مون تون" ناهِ ڪا

ڪاڪ لُڊاٽو لنگهيا ، اَڄ لاهو تي لال ،
اوري هڏ نه اَٽڪيا ، ٽيا پرئين خيال ،
حدون پَڇي هليا ، جن کي حد پَڇا ئي سال ،

جوگی پوچھتے کاک کا پہنچے ہیں اُس جا
جا پہنچے جہاں "میں" "تو" میں سے کوئی وہاں نہ تھا

جوگی پوچھتے کاک کا نکلے صبح سویرے
پار لنڈانہ کر گئے ذرا بھی کی نہ دیر
وہاں پہ "میں تو" کوئی نہیں تھے، دیکھو تو اندھیر

کاک کو پیچھے چھوڑ کے گذرے شہر لنڈانہ
وہ پہنچے جہاں موتی ملی، نہ ان کو ملا ہے رانا
وہاں نہ کوئی مسجد تھی نہ مندر کوئی ٹھکانہ
"میں تو" وہاں پہ کوئی نہیں تھے، ختم تھا یہ افسانہ

پار لنڈانہ کر گئے وہ لاہوتی لال
رُکے نہیں وہ پل بھر کو پار کا انہیں خیال
حد سے بے حد میں پہنچے اور بھولے اپنا حال

تن سُرت نہ کاسَنیال، رجي ويجهاتيا وصال کي

جوگيِ آهن جي، گوش گنگا ڏي تن جو
آهن کوڏياکاتَ جا، پُڻ کا پڙي کي
سِرسَنباهِن سي، جنين ناتو ناٽ سان

جوگيِ جال بُجهن، پرکونہ لهان کو کاپڙي،
تن گُدڙ پيرين جيون گالهڙيون، تيون سچل ساه بُجهن
لوڪ نہ پيئي لُجهن، بِگر نالي ناٽ جي

جوگيِ آهن جال، پرلاهو تي لنگهي ويا
هي مڙ مڙ ڪن مَٽيَن سين، هوڪڙا مٽي خيال
سي لانگوٽيا لال، پيئَر پاڳ مِلن مُون

جوگين آهه نہ جنگ، هِن سُلوکي سپَ سان
جيجان هن جهان ۾، هِن طُريلا تَنگِ

تن من بھولے تب ملا ان کو وصل وصال

کچھ جوگی ہیں ان کے دھیان میں ہر دم گنگا جل
کچھ جوگی تلوار سے سر کا سودا کریں سپھل
ناتھ سے ان کا ناطہ ہے جو ٹوٹے نہ کسی پل

کتنے جوگی دیکھے ہیں پر ملا نہ اِک گنوان
جس کی باتیں سیتل کی سانسوں میں بسی ہیں آن
ہر دم ناتھ کا نام ہی ان کے وردِ زبان

کتنے جوگی دیکھے پر لاہوتی پہنچے پار
ان کی من من منکوں پر، اُن تن لنگوٹی دھار
دھن بھاگ ہمارے ہیں جو مل جائیں ایسے یار

جوگی پیار کریں سب سے نہیں ان کی کسی سے جنگ
سر پر چیرا ٹیڑھا ہے ہیں بانکے ان کے ڈھنگ

ڪنهن جي رتا رنگ : مائڪ مُنهن مَشعلان

پُورب پنڌُ نه آهه ، ڪڏهن ڪاپڙين کي
ڀت مائٽن ميڙاکو ٿئي ساجُوني جوگين جاءِ
سامهي سرسَواءِ ، سود و ڪن نه ڪو ٻيو

جاڏي پُورب پنڌُ ، تاڏي آءٌ نه وڃڻو
هي هِنن جو هنڌُ ، منهنجو هنڌُ هِنگلاج ۾

پُورب پُڇيائون ، پَرپيرُ ڪيائون پَرنان
اوديان پَريان پنڌ ڏا ، سي ڪس لنگهيائون
اِئين اُتيائون نه گُهر اَسين نه گَڏيا

منهنجو سويل سارئي ساهُ ، وو ، راڻا رُسامَن سان مارئي
ويني ڪڙهان ڪاڪِ تي ، آڻينده ءِ الله
هِن مُٽي ءَ جو مينڌرا ، تو کي ڪيهو پَرواهُ

منہ مشعل ہیں ان کو کسی نے رنگا ہے اپنے رنگ

پورب جاتا راستہ ان کو نہیں کٹھن
جوگی وہاں ملیں جس دوارے لوگ سجن
سودا کریں وہ سیس کا جوگی صاحبِ فن

پورب ڈگر نہ جاؤں میں یہ تو ان کی راہ
میں ہنگلاج کو چلتا ہوں وہ میری خنقاہ

پوچھیں خبریں پورب کی پر پاؤں وہاں سے آگے
سارے گھاٹ ہی گھوم گئے کیا پیچھے کیا آگے
گورو کہیں وہ ملا نہیں ہم چاروں اور ہی بھاگے

ہر سانس میں تیری چاہ رے رانا مجھ کو لوٹا مارا
تڑپوں کاک ندی کے کنارے لائے تجھے اللہ
میندھرا مجھ بے چاری کی تجھے کون سی ہے پروا

سندوا چڻ تانھنجي ، روز نھاريان راهُ
گھڙي اوھان جي ٿي گھران ، پت آوھان جو چاهُ
مِھر مَٽو تو ناوِ ڪو ، جيڪُس منھنجو بخت سياهُ

پٽي پيش پرين ءَ کي پاڻ ، آءٌ چوندي ئس ھِلي حالُ ھي
تو توڻ آھي مينڊرا ، ڪاڪ ساري قربان
دل کي ديوانو ڪيو ، ڀھڳڻ تنھنجي ٻاڻ
نامياڻ ڏسج ننگ ڏي ، آءٌ تا ٽيئس اَجاڻ
آندم ھيٺ عتاب جي ، مون کي پنھنجي ءَ ڄاڻ
"سچو ءَ" سندي ساھ کي ، تانگھ ايڏا ھين تاڻ

ارڙي جيڏيون منھنجو جيئڙو ، ڏيو سڃڻ وڃي
چرخي مُناتاڙيون ، پينر سيکائي پيڃي
دردمندي ءَ جي دل اھائي ، مت نہ ڪنھ جڙي ميڃي

یہ میری تقدیر ہے دیکھوں نت نت تیری راہ
دھیان میں تیرا وصل ہے چاہوں بس اک پل کی چاہ
انت نہیں تیری مہر کا پر میرے ہیں بخت سیاہ

حال کروں گی بیان میں جا کر اپنے پریتم پاس
مندھرا تجھ پر کاک محل کی اک اک شے قربان
دل دیوانہ میرا کر گیا تیری نظر کا بان
تو ہی یہاں لج پال ہے میرا میں تو ہوں انجان
میرا دوش تو اتنا ہے یا میں نے سب کچھ جان
سجوں ہر دم دل میں گونجے تیری یاد کی تان

سکھیو! میرا جی تو لئے جاتا ہے ساجن میرا
توڑ دے اپنا اپنا چرخہ میری ہر سکھی
درد سے گھائل دل نہ مانے بات کسی کی بھی

طرف تنهنجي يار "سچو" ري، سوزنہ پنهنجڙ سڄي

اڙي الو الو ، دانوَل آيو راڄ ۾
ويڙا سورَسندو ڪري، اڄ پيرُ ٽيڙ ۾ پلو
جنهن ساعت ڪڏياسُپرين، ساساعت ڪنهن نہ سلو
ڳالهہ نہ ڪريو ڪابي ، هاريون اوهين هلو
ڏهاڙي ڏسڻ ڪوڻ ، وارُ نہ پوندو ولو
اصل اهي اُنهن سان ، روح منهنجي جو رلو
"سچو" ڪڏيو سڄڻ ، ڪرن نڳو ڪلو

ماري ويو ڪالهہ رات ، سونهن پريو سوتا سامهيڙو
راتو ڏينهان روح ڪي ، طلب تنهن جي تات
ڪين سڃاتم سرتيون ، تاڪهڙي آهي ذات
سورنہ جهلڻ جهڙو ، هاريون ڏي هيهات

یار سچّو کو کھینچ رہی ہے پل پل چاہ تری

سکھیو سہیلیو رانول دیس میں آیا
کرم ہوُا ہے مجھ پر باقی رہا نہ دُکھڑا کو
جس ساعت تجھے ملے گا ساجن اس کا پتہ نہ دو
چلو کہ چل کر اس سے مل لیں کوئی نہ بات کرو
اس دلبر کی دید سے پیارے پیار بھی دُونا ہو
روزِ ازل سے میرا اس کا روح کا رشتہ ہو
آن ملا محبوب سچّل سے، بیری کو دکھ ہو

مار گیا کل رات سو ہیڑا حسن کا وہ شہکار
میری روح کو تیری طلب ہے کیا دن ہے کیا رات
میں نہ سکھیو جان سکی کس زور کی تھی وہ ذات
سہ نہ سکوں جو دے کے گیا ہے درد کی وہ سوغات

اَٽئي پهر تنهن جي واٽي، "سچوءَ" کي آهي وات

جو هوم ورونهن وارو، جيجان گڏيم سوتا جو ڪيڙو
اڳين ءَ پوٽين ءَ گالهه جو، خيال سُلهائين سارو
سُورن جي سوغات سان، آيو اڏنهن وڻجارو
پَسڻ سان پيدا ٿيو، سيني منجهه ستارو
صورت تنهن جي سڦري، مَشعل مُنهن موچارو
جُڙي ويٺو جان ۾، برهه اُنهي ءَ جو بارو
آهي "سچوءَ" جو سرتيون، اِهو اکين جو اُجارو

نام پنجو کے ہونٹوں پہ ہے اس کا ہی دن رات

میاری، مل گیا دُلارا جوگی ہنس ہنس بولے
اگلی پچھلی باتیں کیں اور راز بتایا سارا
دکھ کی لے سوغات وہاں سے آیا ہے بنجارہ
اس کو دیکھا تو چمکا ہے سینے میں اک تارہ
صورت حُسنِ مجسّم ہے منہ مشعل سا اجیارا
جڑ گیا میرے دل میں اپنے ہجر کا روشن تارہ
سکھیو! پنجو کی آنکھوں کا جوگی ہے اجیارا

بیت روجھے

روجھُون رڻُ يادِ ڪيرن، اُبيرن رتُ رتَن
هرڪنهن ويلَ هُٽن، اِهڙن اوراتَن ۾

روجھُون رڻُ ڦِٽو ڪري، لاهِ لهِي آيون
تِين تار نہ ترايون، جو مُنڊ نہ اُنَن مِينهڙا

هنيڙو ڇڏي هُت، تِيون روا نيون روجھون
ڏکيا اَوسَر ڏينهڙا، تِيون گذارن هِت
اَنڍِي پهر چِت، وطن تن نہ وِسري

ماڙَ مينهن پِيان، روجھان مونِي آيُون

روجھوں نے صحرا کی یاد میں خون کے اشک بہائے
ہر پل ان کو اپنے ریگستان کی یاد ستائے

روجھیں میدانوں کی خاطر چھوڑ پہاڑ گئیں
تال بھرے نہیں پانی سے اور برکھا ہوئی نہیں

من کو چھوڑ یہاں پر آخر روجھیں ہوئیں روانہ
دکھ کے دن تھے ان کے، پل پل ان کو تھا غم کھانا
آٹھ پہر مشکل تھا چت سے اپنا دیس بھلانا

وادی وادی بارش برسی اور روجھیں لوٹ آئیں

اوسر سندا ڈينهڙ ، وسري سپ ويان
تاڻا تر تيان ، ڦٽيون ڦوڙيون گڏيون

جڏهن تيا آبر ، تڏهن روجهن گات مٽي ڪيا
مولي وچڑيون ميڙيون ، جن ڏي گذاريا اوسر
پهاڙي ۽ جي پاند ۾ ، گڏجي ڪن گذر
تيون سيئي سر ، لنگهين ڏکيا ڏينهڙا

آسرونڌ آهين ، روجهون راٽيون رڙ ۾
اُيون پيون آءُ ڏي ، تيو راٽڑيون واجهائين
ڙيون ڪيو رڙ ۾ ، تيون ٻوندون برسائين
تنهن ڪنڌ تيون ڪاهين ، جنهن ڪنڌ وسن مينهڙا

روجهن زارو زار ، اُيي رنو رڙ ۾
ڙيون سُڻي رُليٽن جون ، سعيو ڪيو ستار

دکھ کے سارے دن بیتے وہ تھر کو لوٹ گئیں
کیسے خوش ہو کر سکھیاں سکھیوں سے آن ملیں

روجھوں نے آکاش کو دیکھا جب بادل تھا چھایا
دکھ کے دن بیتے، مولیٰ نے بچھڑوں سنگ ملایا
کوہ کے دامن میں خوش رہنے کا موسم ہے آیا
تال بھرے پانی سے، دکھ کے دنوں کا ہوا صفایا

روجھیں ریگستانوں میں ہیں من میں آس لگائے
پل پل نیلا انبر دیکھیں آس نراس کے سائے
چیخ رہی ہیں، ان کی آنکھوں سے جل بہتا جائے
جس جانب مینہ برس رہا ہے پاؤں ادھر کو جائے

ریگستان میں روجھیں روئیں، روئیں زار قطار
آہ و زاری من کے سایہ کرتا ہے ستّار

ساري ساز سُرودَ سان ، سارنگ لَڌين سارَ
روجهن ساڻ رهاڻ لئَ ، ڪِنوٽين ڪئي ڪيڪارَ
ٿهي هليون ٽيڙن تي ، سُڻي گوڙَ گجڪارَ
وسي وس وڏي ڪئي ، وسَڻ جي وسڪارَ
تانگهيون تارَئون تارٽيون ، ترايون تلهارَ
سَچي لَڌڙي سارَ ، سِگهي ٽن سڪَ وارئين

"مندائتا موٽنيا!" روئي ڇون روجُهون
"ڪمينيون کوجهيون ، قادرَ ٽنهنجيون آهيون!"

سارنگ نے بھی ساز سنبھالے سن کے ان کی پکار
روجھوں نے بھی ہنس ہنس دیکھی بجلی کی چمکار
چڑھ کر ٹیلوں پر سنتی ہیں بادل کی گجکار
بڑی بڑی بوندیں ہیں برسنے کو اب تو تیار
تال تلیاں بھر گئیں پل میں بارش موسلادھار
سچو روجھیں پیاسی تھیں انہیں مار گیا ہے پیار

موسموں پر لوٹ آنے والی روجھیں کہیں یہ رو
ہم ہیں کمینی، ہم بدصورت، رہی ہیں تیری ہو

بیت سارنگ

مِهرَسَندا مينهن ، شاه وسائين شَل!
جُهريَل منهنجي جهُو پڙي، بنا جهَلي جهَل،
ڪاهِل تي ڪَهَل ، ڪندين شال ڪريم تون

سارنگ رنگ ڪيا ، پويا ڏي ءَ پٽن تي
پَڪرَ ٻاهَاٽن جا ، پَلَر پي ديا
ڏيهان ڏرت ديا ، مولي سندي ءَ مِهرَسان

اَج پٽ پُوريَ پار ڏي، ڪَڪَرَ ڪَڪوريا
سارنگ سُرَ سُرائتا ، ساجهُري سوريا

شاہا بادل مہر کے تُو مجھ پہ سدا برسا
مانگے تیرا آسرا میرا ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا
مجھ کاہل پر رحم کر تُو اے کریم خدا

میدانوں میں پچھلی رات کو سارنگ نے چھب دکھلائی
بکریاں میرے بابا کی خوش ہوئی ہیں پانی پی
قحط کٹا اور مہر مولیٰ کی دیس پہ ہے برسی

پورب میں نکھرے نکھرے ابھرے ہیں بادل
سارنگ نے سُر چھیڑے ہیں میٹھے سُر پل پل

سُرمنڈل ۽ سارنگيون ، پنگ چڱا چوريا
آپ اُتي اوريا ، طبل تارون تيج سان

وسي پيو وڏ قڙو ، پنيون پٽ پريون
پٽاريون پٽن تان ، وڻ ٽين وريون
ڪيرن جون ڪريون ، چاڙيين ڏنئون چاهه مان

واڻ وسائيج ، درد مند ي ۽ جو ديس
پرين مون پرديس ، اُتي اينڊ م اُوڏرا

والي وري تون ، وطن تي وسس ڪرين
مينهن وسندي مون ، سڃڻ ساريم سُپرين

سارنگ سعيءِ م آڻي ، "سچل" سسيءِ چئڻ
مٿان اينڊ ۽ اوچتو ، هاڻ نه مُڙندءِ هئڙ
اَجهاپي ڪاڏ ، وسڻ ڪان اڳي وڃي

چنگ بجیں سارنگیاں ساتھ ہیں سُر منڈل
طبل بجیں آکاش میں گونج رہا ہے جل

ٹیلے بھیگے ریت کے برکھا برسی آن
بھنبیں ٹیلوں سے پلٹیں آئی ہیں استھان
بھر بھر مٹکے دودھ کے دیتی ہیں وہ دان

دردمندی کے دیس پر مولیٰ بارش بھیج
پریتم ہے پردیس میں آئے اپنی سیج

میرے وطن پر والیا تو بارش برسا
مینہ برسا تو ساجن کو میں نے یاد کیا

سجل سارنگ آگیا تو بھی سُستی چھوڑ
اک دم برکھا برسے گی آجائے گا موڑ
مہلت مِلے گی پھر کہاں ابھی سے چھپر جوڑ

سارنگ ساري رات، رٽن مٽي ريج ڪيا
پُکن پرڙا سوئيا، پرڦٽي ۽ پريات
پَٽَن تي بدرا ٽيا، گلُ ڦُل پاتون پات
واڻي سپڪنهن وات "سچل" سارنگ سان جي

سارنگ صبح آئيو، گوڙيون ڪري گاج
هاري هليا هاج، ڪُڙمين هر ڪُلهي ڪيا

اکين آب وهائيو، سرتيون ساري رات
وهائن وڏ ڦڙو، پرچن ناپريات
پيئر ڪان برسات، اکين اوٽڻ سکيو

هڪ وسڻ پيو وڃڻ، تيون لهي پيو سي ۽
جهوري وڏ ئين جهو پيون، پَٽَن وڏا ئين ڇي ۽
رٽن جو رٽن ۾، واه وسيلو ٿي ۽

ریگستان پہ برسا ہے سارنگ ساری رات
اُڑے پکھیرو جھوم کے ہوئی ہے جب پربھات
رنگ برنگے پھول کھلے ہیں ہر ڈالی ہر پات
سچل سب کے ہونٹوں پر ہے بس سارنگ کی بات

سارنگ صبح سویرے لایا گونج گرج ہلچل
نکلے ہاری کام کو رکھ کاندھوں پر ہل

آنکھوں نے پانی برسایا سکھیو ساری رات
موٹی بوندیں برس پڑیں جب آئی ہے پربھات
آنکھوں کو سکھلا گئی ہر دم رونا رُت برسات

اک برسے اک کڑکے بادل تیجی سردی آئی
جُھگی ہر غریب کی دیکھو ڈر ڈر کے تھرائی
بیواؤں کی جان پہ یہ کیا ہے مصیبت آئی

حال جنين جو هي عُ . تَن پرور رک پناه م

اَول آنڊي آئي ، پويان جُهڙ جهَجهو
نڪو اولو آسرو . نڪو اوت اَجهو
ڏهيلين ڏجهو . تن پرور رک پناه م

سچل سائي سنڌ جي ، وري ورتائون وات
جُهڙ ڦڙ جهُلي آئي ، جهنڊِکو ڏيئي جهات
وسِي پياوڏ ڦڙا ، گهيڙ پُسائي گهات
لاٿي اُڄ اَسات ، سارن سنگهارن جي

لے لے انہیں پناہ میں رکھ ان پہ ہاتھ خدائی

پہلے آندھی اس پر آیا بارش کا طوفان
آسرا ان کا کوئی نہیں ہے نہ چھپر نہ مکان
یہ بد قسمت ان کو دینا اپنی پناہ امان

چلے ہیں بادل سندھ کو جو ہے شاد آباد
سچل بارش تیز ہوئی برکھا ہوئی زیاد
بارش موسلا دھار تھی گھاٹ ہوئے دلشاد
میرے میکے والوں نے پیاس کی دی ہے داد

سندھی میں رانجھا کو رانجھڑ یا رانجھن کہا جاتا ہے۔ رانجھا تخت ہزارہ (ضلع سرگودھا) کے زمیندار کا بیٹا، باپ کے مرنے کے بعد بھائیوں کے سلوک سے تنگ آ گیا، بھابیوں نے طنزاً کہا کہ کیا وہ ہیر سیال بیاہ کر لائے گا۔ ہیر جھنگ کے سیالوں کے سردار چوچک کی بیٹی تھی اور اس کے حسن کا بڑا شہرہ تھا۔ رانجھا تخت ہزارہ چھوڑ کر جھنگ گھیانہ کو چلا۔ دریائے چناب کو عبور کیا اور ہیر کے باپ کے پاس مویشیوں کے گلے کا نگہبان مقرر ہوا، پھر عشق کی آگ نے دونوں ہیر اور رانجھے کو گھیرے میں لے لیا۔ تپش دور تک پہنچی، ہیر کے معذور مگر خود اور بزعم خود اخلاق کے علمبردار چچا کیدو نے حکائت عام کر دی، بھائی سے ہیر کو بیاہنے کے لئے کہا۔ رانجھے کو نکالا گیا تو ہیر کے باپ کے مویشیوں کا گلہ بھی بگڑ گیا۔ مجبوراً اسے واپس بلایا گیا۔ دوسری طرف ہیر کی منگنی رنگپور کھیڑا (ضلع مظفر گڑھ) کے سیدا کھیڑا سے کر دی اور پھر ہیر کو اس کی مرضی کے سراسر خلاف زبردستی سیدا سے بیاہ دیا گیا۔ رانجھا ٹلہ بالناتھ (ضلع جہلم) پہ جا کر جوگی ہوا۔ جوگی کے روپ میں رنگ پور پہنچا۔ ہیر کی نند سہتی کے ذریعے ہیر تک رسائی حاصل کی اور آخر رنگ پور سے نکل پڑے۔ مگر کھیڑوں نے تعاقب کیا، پکڑے گئے راجہ کے دربار میں پیش کئے گئے۔ راجہ نے دونوں کو جدا کرنا چاہا، ہیر کھیڑوں کے سپرد کرنے کا فیصلہ دیا مگر اس ناانصافی پر اس کے شہر میں آگ لگ گئی، راجہ نے یہ دیکھ کر فیصلہ بدلا اور ہیر رانجھے کے حوالے کر دی، سیال ہیر رانجھا دونوں کو جھنگ لے آئے۔ رانجھے سے کہا کہ وہ تخت ہزارے جا کر باقاعدہ دولہا بنے، بارات لائے ہیر اس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی۔ رانجھا فریب میں آ گیا، سیالوں نے ہیر کو زہر دے کر مارا اور شہر کے باہر دفن کر دیا۔ رانجھے کو علم ہوا تو وہ محبوب کی قبر پر پہنچا۔ قبر شق ہوئی اور رانجھا بھی اس میں سما گیا، دونوں کا مزار آج بھی جھنگ کے قبرستان میں اپنی منفرد طرز تعمیر کے باعث قابلِ دید ہے۔

ہیر رانجھو

حاڪم تخت هزار جو، قسمت ڪيو ڪنگال
مسڪيني ۽ جو مرد کي ، خطرو نڪو خيال
محبت مستانو ڪري ، ڏيڻو ڪيڙس حال
پُڇي جهنگ سيال ، ڪٽب نه تخت هزار جي

شاهي هُيم شان ، دلبر پنهنجي ديس ۾
اُتان آيس اوچتو ، ڪٽي سورن جو سامان
پيا منجهاڙن چا تي آيس ، اهو اُتم ارمان
حيرت ۾ حيران ، مون کي هير هٿي ڪيو

حاکم تخت ہزارے کا قسمت نے کیا کنگال
خود مسکینی راہ چلا نہ دل میں کیا خیال
مستانہ دیوانہ عشق کا پہنچا کون سے حال
تخت ہزارہ یاد نہیں اور پوچھے جھنگ سیال

اپنے دیس میں دلبر میری تھی شاہوں سی شان
اک دم چھوڑ یہاں پر آیا درد کا لے سامان
میں کیا تھا اور اب کیا ہوں یہ جاننے کا ارمان
ہیر کو آن یہاں دیکھا تو رہ گیا میں حیران

رانجھو هُيس راءُ، مالڪ پنهنجي ملڪ جو
اديون عشق انڊو ڪيو، پَيَرُ ڪين سَماءُ
گهورن ڪيم گهاءُ، هِتي آچي هِيَر جي

ڳئون چارينس ڳرن جون، ڪاڻ ڪنين جي ڪاڻ
اِهاروح رهاڻ، مَنَ پي ميلي محب سان

نورنگ نندورو، ڪيڙو وجهان ڪوه
رانجهو منهنجي روح، سدا وسي ٿو سرتيون

هَرهَر ڏينو هِير جي، رانجهو ڏسي راهَ
ڏينو وڃائي ونجهُلي، جاهوں تي پناه
سانديو وتي ساهَ، "سچل" سورسڄڻ جا

آلستي آواز ڪو، منهنجي ڪَن پيو
هِردي اندر هير جي، آهي ڪو نه ٻيو

اپنے دیس کا میں مالک تھا میں رانجھو تھا راؤ
عشق میں ایسا اندھا ہو گیا یاد رہا نہ بھاؤ
ہیر کے نیناں دے گئے مجھ کو گہرے گہرے گھاؤ

ساری گوٹھ کی گائیں چراؤں لیکن کس کے کارن
شائد مل جائے اس صورت مجھ کو میرا ساجن

کھیڑے جھونکوں بھاڑ میں ان سے دل ہے تنگ
سکھیو رانجھو من میں بسے، میرا اس کا جیون سنگ

رانجھو دیکھ رہا ہے رستہ ہیر کا ہر اک پل
ونجلی کے سُر دیکھو کیسی چاہ میں جائیں ڈھل
کیا کیا دُکھ سینے میں چھپائے بیٹھا ہے وہ سجّل

کیا آواز اُلستی تھی جو میرے کان پڑی
ہیر کے پردے پیچھے ہستی کوئی اور نہ تھی

مُرليءَ مست ڪيو ، جوڳيڙن جي جيڏيون

ڪاريهر قتيل ، گوديون وڏا گوڏ ڏئي
مَندير وتي مندبن سان ، نانگ نسورا نيل
رانجهن جي رسيل ، مُرليءَ مستاناڪيا

مُرليءَ تي تنهن مَردَ جي ، ڪنيا ڪاريهرن ڪَر
هرڇڏي هاهر ٽيا ، نيلا نڪري نَر
زهري منجهه زهر ، جوڳيڙي جهتي وتا

جن کي اديون اوچتي ، ڪاٽيو ڪاريهر
تن جي خاص خبر ، جاچيو جوڳيڙن کان

ڪنيل ڪَنَ ۾ وجهي ، خان چڏي خاني
جوڳيسَرُ جا ڻي ، راوي عَطرن رَڏي هليو

چڏي چاه چناب جو ، راوي ءَ ڏانهن رويو

مست ہوئی میں جوگیوں کی جب مُرلی باج اٹھی

گودڑی والوں نے کیلے ہیں کیسے کیسے ناگ
ناگوں کو مسحور کریں ہیں جوگیوں کے ہی بھاگ
مست کریں رانجھن کی مُرلی سے نکلیں جو راگ

کیسا مرد قلندر تھا جب مُرلی آن بجائی
زہری ناگ بلوں سے نکلے پھن کی چھب دکھلائی
پل میں رام کیا جوگی نے ایسی کلا دکھائی

سکھیو جن کو ڈس کے گیا ہے زہری کالا ناگ
حال ان کا جوگی سے پوچھو جلی ہیں کون سی آگ

کان میں مندرے ڈال کے چھوڑی اپنی جانی
راوی رُخ سدھار گیا میرا جوگی جانی

چھوڑ کے چاہ چناب کی راوی اور گیا

مُرليون سُرليون، ونجهليون وجهائيند و ويو
تانيكو تيو، سونانگو نورنگ پُرم

جوگبي آيو جوءِ م، مرکٹو مَٹدار
مُرليءَ مستانا کيا، جنهن جي لک هزار
کاريهر کردار. نيلا نات نوائيا

جو جوگي زلفن وارو، سو سامي مون تاکين سُجاتو
گل کئي کفني دست پهوتا، مشعل مُنهن مُوچارو
انگ پيوت بنائي آيو، بيکم پئي وڻجارو
پئي لباس کو رانجهو ايندو، پڌي تخت هزارو
سبب انهي ءَ کون کين سُجاتم، ماريو مُئي ءَ لئه وارو
"سچو" سُجاتو تہ رانجهو آهي، جڏهن جمال سلياٽين سارو

میٹھے سروں میں بنسری کی تان اڑاتا تھا
آخر اس نے منزل کر لی رنگ پور میں جا

کیا گنوان تھا جوگی ہنستا میرے دیس میں آیا
اس کی مُرلی نے لاکھوں کو مست الست بنایا
نیلا زہر تھا کالے ناگ کا ناتھ نے اسے جھکایا

زلفوں کا چھتنارہ جوگی سوامی نہ پہچان سکی
گلے میں کفنی ہاتھ پہوڑا مشعل سامنہ سارا
انگ بھبھوت رما کر مانگے بھیک یہاں بنجارہ
اور لباس میں رانجھو آیا چھوڑ کے تخت ہزارہ
جان سکی نہ اُس کو اُس نے مجھ برہن کو مارا
پنجو جانا رانجھو نے جب حسن دکھایا سارا

جوگ

پورب پَنڌ نہ ويڙا ، گِرنارِ گمنام
ويچاري ٿي وات تي ، ڪَرن ڪين وسرام
سيني ۾ سنگرام ، سَچا سنياسن جي

ورلو ويراگي ، گيانِي ڏنم گوڏيو
پُليا ڏنم پير ۾ ، پوگِي ۽ ياگِي
طالبُ تياگِي ، لکن ۾ ڪو هيڪڙو

جوگين جتائُون ، جوڙي جوڙيون جان تي
چمتا ٻڌي چيلھ سان ، تُنيون تَڻياٿون

راہ چلتے تو نہیں ہے دیکھا رہیں سدا گمنام
عاجزبن کر راہ میں کریں نہیں بسرام
سچے سنیاسی کے من میں ہر دم ہے سنگرام

گودڑیوں میں گیانی دیکھا کوئی کوئی بیراگی
لاکھوں اس چکر میں گم قسمت نہ جن کی جاگی
بھوگی بھاگی لاکھوں ہیں اور ان میں ایک تیاگی

جوگی جکڑ لیں اپنی جٹاؤں میں اپنی ہی جان
چمٹے باندھ سریر پہ پھونکیں سنکھ ہر آن

جنجيرن سان جهان تي ، ڪِشتا ڪڙ ياڻون
گـروڙي گاڻون ، پـوءِ پنڌ پُڇِي ويـا

جوڳي پاڻون پات ، پرمنهنجو آڏو تن سـان
سَفر ويا سـاجهري رهـيا رڳِـي رات
طلب تنين جي تات ، راتيان ڏينهان روح کي

ڪاپڙي ڪن ڦاڙ . آيل آج سنگهي ويـا
مَست ڪري ويا مَن کي ، مُـرليءَ سان مٽيار
تن جوڳِيڙن جي جاڙ ، مون کان مُٽي نه وسري

لاتـي لاهـوتين ، ڏرم جي ڏوٽِـي
پنبهِ جي پـوٽـي ، ساڙي سنيا سِي هليا

زنجیروں سے کاسے باندھے ان کو سجاوٹ جان
پورب راہ کا پوچھتے جوگی گئے گذر ان

میرا عشق تو اور ہے ہیں جوگی بھانتوں بھانت
وہ جو صبح سفر کو نکلے رُکے تھے بس اک رات
میری روح کو ان کی طلب ہے ان سے ہے سنگ ساتھ

کان پھٹے تھے جوگی گذرے باندھ کے آج قطار
ایسی بجائی مُرلی کر گئے مست ہمیں منسیار
ان کی بات نہ بھول سکوں گی جیون کے اس پار

لاہوتی نے دین دھرم کی آج رمائی دھونی
سنیاسی نے آگ میں ڈالا کیا پنسبہ کیا پُونی

سائي ساري سنيهما ، چئج پُنهون ءَ کي، بيراگي آهيان ٻو

حال ڏسيو تو جو ويجهين، سارو عرض ڪرين ٻو

دلاسو ڪو دوست ڏنهن ، وٺي جلد ورين ٻو

ڪاروڪ نه ڪيج کي، پيڙ تانه ڇڏين ٻو

پانهي جاڻي پانهنجي، گولن ساڻ گڏين ٻو

تو سان عمر گذاريان ، جان ڪي هِت هُتان ٻو

ڳالهين ٿُنهنجن ڪاري آهيان، جان ٿي دت دڳان ٻو

ڏورينديءَ مون ڏونگرين، گهٽا ڏينهن ٿيا ٻو

بدا هوندا هوت تو، جي "سچوءَ" سڏ ڪيا ٻو

قاصد سب سندیس پنوں کو دینا میں بیراگن ہوں
جا کہنا اس سے جو دیکھا تو نے میرا حالِ زبوں
یار سے حرفِ تسلی لانا، تجھ کو کتنی بار کہوں
مجھ کو چھوڑ کے کیچ نہ جانا میں شرمندہ تو نہ رہوں
باندی بن کر تیری باندیوں میں میں بھی رہنا چاہوں
جب تک جان میں جان رہے سنگ تیرے عمر بتاؤں
میں ہوں تیرے سخن کی ماری نسدن روؤں خوں
کتنے دنوں سے دشت و جبل میں میں تجھ کو ڈھونڈوں
ہوت صدائیں سچو کی سنیں تم بھی ہوں گی، کیوں؟

پنجابی

دوہے

چشماں شور شراب مثالی، غمزے رنگ گلابی
نظر گھتیں جہیں طرف اُتے تہیں طرف تھیوے بیتابی
مشتاقاں دے دلیاں ڈھوں کردیاں شہید شتابی
سٹن، بھٹن تے پٹکاون، سچل عین عذابی

اکھیاں باز عقاب سوہنے دیاں کرن پروں پرواز وڈے
اگوں اوہناں مشتاقاں دے ہوندے سو نیاز وڈے
بانہاں بدھ، گھت گل دتے گاری کردے کھڑا ایلاز وڈے
تاں بھی سچل معشوقاں دے ہوسن غمزے ناز وڈے

حسن دے جوہر کارے چڑھدے بانکے نین سپاہی
شہر دلیں دالٹ کرنیون ڈیندا عشق گواہی
عشاقاں دے سر چڑھ آوے فوج حسن دی شاہی
سچل نمانے داتوں جگ دتے پردہ رکھیں الٰہی

آنکھیں شورشراب مثالی، غمزے رنگ گلابی
جس جانب تم آنکھ اُٹھاؤ سب کو ہو بیتابی
دیر لگے نہ کریں شہید دلوں کو وہ تو شتابی
پھینکیں، جھٹکیں، ٹپکیں سچلؔ ساری طرز عذابی

آنکھیں باز عقاب کہ جن کی حد سے پرے پرواز
چاہنے والوں کی خاطر ہیں سو سو ناز نیاز
گلے میں پلّو ڈال کر دوں میں اس سے عرض نیاز
سچلؔ سننے کو تو سُن لے مگر وہ اس کے ناز

حُسن کے بن ہر کالے چڑھ گئے بانکے نین سپاہی
لوٹ کے لے گئے دل کا نگر دیتا ہے عشق گواہی
چڑھ دوڑا ہے مشتاقوں پر حسن کا لشکر شاہی
سچلؔ نمانے کا تو جگ میں پردہ رکھ الٰہی

شہر حسن دے وچوں چڑھدے ڈہیں نین نواباں
کاہ پون ترسیندیاں نسّی شوکیاں پھرن شتاباں
قہر کمیندیاں عشاقاں نوں ڈیون لکھ عذاباں
ویکھ سچل حیران رہیا اُتھ مونہہ والیاں مہتاباں

کشتی ڈٹھم وچ بحر دے تہیں وچ میر ملاحاں
جھٹیاں مارن مچھیاں کوں، نہیں کوئی غرض انہاں ہاں
کم ادہناں دا ایہو جیہا مار گھتن بادشاہاں
ہند، سندھ تے آن فلک نہ سچل، مارن ملک سپاہاں

ڈٹھا میں رخسار سوہنے دا خوش خورشیدی خوبی
اکھیاں قاتل تھیون قہاری مشعل مونہہ محبوبی
عشاقاں کوں کرے اسیری، عشق والی اسلوبی
نا مخلوق ایکھیجے سچل سارا رنگ ربوبی

حسن کے شہر سے اُٹھے دونوں دونوں نین نواب
خون کے پیاسے، خاک اڑاتے پھنکاریں وہ شتاب
اہلِ وفا پر قہر بنے ہیں نازل کریں عذاب
دیکھ سچل حیران رہا اس کا مکھڑا مہتاب

کشتی دیکھی بیچ سمندر جس میں میرا ملاح
جھپٹیں مچھلی مچھلی پر وہ ظالم بے پرواہ
رنگ ڈھنگ ان کے مار گرائیں ایک نہیں کئی شاہ
ہند سندھ کیا ہیں سچل فلک پر چڑھ دوڑی ہے سیاہ

کیا رخسار کا جلوہ تھا وہ خوش خورشیدی خوبی
آنکھیں قاتل قہر کمائیں، مشعل رو محبوبی
قید کرے عشاق کو تیرے عشق کی خوش اسلوبی
وہ مخلوق نہیں ہے سچل اس کے رنگ لبوبی

وِچ تلا پانی دے بیٹھے ڈوں شہزادے شوری
کردے عالم اُتے حکومت، حکم زور آور زوری
دست کمان اوہناں دے ہیئی مارن تیر لاہوری
سچل صف بصف مشتاقاں جان، جُثا سر گھوری

سوہنے دے مشتاقاں کوں ایہہ لُوہ گھتن لٹکاوے
سوئی جانن جھلے جنھاں نے چشماں دے چٹکارے
عشاقاں دے وت بازاں وانگن جھڑپ ڈیون جھٹکارے
ایہناں سرّاں نوں سچل جانے، کون ڈیون اٹکارے

بانکے نین سجن دے غالب مار وہندے مشتاقاں
دلیاں لٹ لیون ہک واری کردے کم فساقاں
بانہاں بدھ کھڑوتے اگوں صفاں صف عشاقاں
عشق والیاں دیاں ہر دم سچل دنج چمیجن خاکاں

ایک تال میں بیٹھے دیکھے دو شہزادے شوری
جگ پر حکم چلائیں دیکھو زور آور کی زوری
تیر کمان ہاتھوں میں ان کے ماریں تیر لاہوری
سچلؔ عاشق حاضر کر دیں، روح، بدن، سر فوری

جھلس کے رکھ دیں سوہنے کے، مشتاقوں کو، لٹکا لے
بس وہی جانیں جنھوں نے جھیلے آنکھوں کے چٹکا لے
جھپٹیں چاہنے والوں پر، دیں باز صفت جھٹکا لے
سچلؔ اس کے دستِ جفا کو کون بھلا اٹکا لے

بانکے نین سجن کے غالب، ماریں جو عشاق
لوٹ کے لے گئے شہر دلوں کے وہ ظالم قزاق
باندھ صفیں، سو پاس ادب سے، حاضر ہیں مشتاق
سچلؔ عشق کے مارے چومیں اس کے پیر کی خاک

چمکن جھلکن، جھمکن رُخ تے واہ موتی دے دانے
ساگی صورت حق دی ویکھو جے کوئی آن سنجانے
جھلکن جوڑ، جبیں تے جادو یار سوہنے کوں بھانے
سچل قدر اوہناں دا جاناں یا دت آپ اوہ جانے

سوہنیاں دے مونہہ سوہنیاں جُڑدیاں کجا کج محرابیاں
مسجد ہے یا کعبہ قبلہ ڈیون عشق عذابیاں
ڈنگیاں ونگیاں واہ واہ دیکھو مصحف دیاں اعرابیاں
یا دت حسن دے شہر تے کر دا سچل نینہہ نوابیاں

سُرخ لباں ہن لعل امانی یا یاقوت یمانی
موتی مونہہ اگوں شرمندے ہیرے تھئے حیرانی
جھلک جھلک رخسار سوہنے دا پر تو نور نشانی
سچل دیکھ تجلا تہیں دا ہوئی دل دیوانی

چمکیں، جھلکیں، جھمکیں اس کے رُخ پہ موتی دانے
ساری صورت حق کی دیکھے گر کوئی پہچانے
یار سوہنے کی پیشانی پہ جادو عجب لگانے
اِس کی قدر تو سچّل جانے یا پھر آپ وہ جانے

اس کے رُخ پر کتنی حسیں ہیں کج کج یہ محراب
مسجد ہو یا قبلہ کعبہ، عشق پہ سدا عذاب
ٹیڑھے میڑھے کیسے حسیں ہیں مصحف کے اعراب
جیسے حسن کے شہر کے سچّل، ہو گئے نین نواب

سُرخ ہیں لب کہ لعل رمانی یا یاقوت یمانی
موتی دیکھ اسے شرمائیں ہیرے ہیں حیرانی
جھلک جھلک رخسار ہے اس کا پرتو نور نشانی
سچّل دیکھ تجلّی اس کی ہو گئی میں دیوانی

سوہنے یار دیاں سوہنیاں اکھیاں شاہیناں تے شاہبازاں
ماس نیمیاں اتوں آکر کرن پرد پرد وازاں
چھوڑ تمنا سردی کھڑ دے عاشق عشقے بازاں
معشوقاں نوں رحم نہ پوندا رہندے بے نیازاں
درد ڈامڈے کنوں کردے عاشق آہاں نال آوازاں
ہر جا قدر اوہناں دا سچل نہیں توڑے شہر درازاں

سوہنے کی سوہنی آنکھیں ہیں شاہین ہیں وہ شہباز ہیں وہ
بے آس یتیموں کے سر پر ہر دم محو پرواز ہیں وہ
سر دینے کی خواہش لے کر کیا عاشق عشق نواز ہیں وہ
کوئی رحم نہیں ان کے دل میں کتنے محروم نیاز ہیں وہ
عاشق ہیں ہمہ تن درد ہوئے ہاں درد کی اِک آواز ہیں وہ
عزت ہے سچل ہر جا ان کی، محدود نہ شہرِ دراز ہیں وہ

کافی

بغیر عشق دے ڈوجھا کوئی خیال نہیں
نہیں جو عشق تاں اے دوست تیڈا حال نہیں
سجن دے درتے شب و روز دھوں پا رہندے
نہ ایڈے لوڈے تھیون عاشق ایک جا رہندے
انہاں دے عشق دا تیکوں کوئی خیال نہیں
انہاں دا حال وچھوڑے صفا ونجا چھوڑیا
انہاں نے بار برہ دا ہے سر تے چا چھوڑیا
بغیر درد، محبت دا کوئی مال نہیں
اوہ ہائے ہائے کرے راہ تے وتا روڑے
زمانے دیج نہ جیون جیہا سکھ نہیں سوڑے
اوہیں غریب کوں حاصل کڈاں وصال نہیں
سجن دے دستوں جو عاشق غریب قتل تھیا

بغیر عشق کوئی دوسرا کمال نہیں
نہیں جو عشق تو اے دوست تیرا حال نہیں
دھواں سجن کی گلی میں رما کے رہتے ہیں
بس اک مقام پہ دل کو لگا کے رہتے ہیں
انہیں کے عشق کا لیکن تمہیں خیال نہیں

اُجڑ گئے ہیں وہ دردِ فراق میں تیرے
اُنہوں نے سر پہ اُٹھائے ہیں درد کے ڈیرے
بغیر درد، محبت کا کوئی مال نہیں

ترے خیال کی راہوں میں وہ بہت روئے
ترے فراق میں وہ ایک پل نہیں سوئے
کہ ان غریبوں کو حاصل کہیں وصال نہیں

تمہارے ہاتھوں ہوا قتل جو بھی اہلِ وفا

اوہو ای مرد بنیا عشق والے مقصد دا
قسم سجن دی اوہیں تے کوئی وبال نہیں
سجن کوں جیں بھی ڈٹھا تھی گیا اوہ دیوانہ
رہیا نہ ہوش اوہیں کوں تھیا اوہ مستانہ
سجن دے حسن دا ڈوھا کوئی مثال نہیں
کرم کرکے سجن گھر اساڈے آ، سائیں
سچل غریب کنوں چیت کڈاں نہ چا، سائیں
اوہیں جدائی جیہا کوئی بیا زوال نہیں

وہی تو مرد بنا منزلِ محبت کا
قسم تمہاری کہ اس پر کوئی وبال نہیں
اُسے تو جس نے بھی دیکھا ہوا ہے دیوانہ
رہے نہ ہوش و خرد ہو گیا وہ مستانہ
کہ تیرے حسن کی جگ میں کوئی مثال نہیں
کبھی تو مہر کرا اور میرے گھر میں آ سائیں
سچل غریب کو دل سے نہ تو بھلا سائیں
اسے جدائی سے بڑھ کر کوئی زوال نہیں

جہیں دل پیتا عشق دا جام سا دل مست و مست مدام
دین مذاہب رہندے کتھے، کفر کتھاں اسلام
پنجتن پاک حمایت میڈی حسنؓ حسینؓ امام
بخش کریندا عشاقاں تے جنت جا مقام
سر ڈیون کیتے عشاقاں نوں عشق بدھائے احرام
راتیں ڈینہاں مشتاقاں نوں مستی موج مدام
عشاقاں دا اصل کنوں ہے سولی سر انجام
سُولی تے منصورؒ چڑھایا، 'انا الحق' کلام
چاون بار ملامت سر تے برہ سارا بدنام
چھوڑیا تہیں کُوں علم عقل نے جہیں دا عشق امام
جا صفت دی مُول نہ وڑدا کلی چھوڑ کمام
درسائیاں دے سویں سپاہی، سچل بھی ہک غلام

جس نے پی لیا عشق کا جام وہ دل مست و مست مدام
مذہب دین کہاں رہتے ہیں، رہیں نہ کفر اسلام
میرے حامی پنجتن پاک اور حسنؓ حسینؓ امام
کرم کرے عشاق پہ ان کو دے جنت میں مقام
سر دینے کو عشق نے باندھے عاشقوں کو احرام
شام و سحر مشتاقوں کو ہے مستی موج مدام
مشتاقوں کے بخت میں ہے بس سُولی کا انجام
سُولی پر منصور تھا اس کا اناالحق کلام
ہجر سبب تھا، اس کے سر پر جو آیا الزام
عقل اور علم کو اس نے چھوڑا جس کا عشق امام
دنیا داری سب چھوٹے بس رہ جائے اک کام
کھڑا ہے مالک کے در پر سچل بھی ایک غلام

رو رہی آں یار، ہُن ہے مناسب آون تیڈا
روز الستی سر تے چاتم برہ تیڈے دا بار
ہجر تساڈے کاہل کیتا رووان زار و زار
لُوں لُوں دے وچ عشق لپیٹیا تن من تیڈی تار
لکھ کروڑیں، کتلے آکھاں، ماریا اے حسن ہزار
اکھیاں تیڈیاں گل، گلابی، خونی عجب خمار
ظاہر نال زبان کریساں الفت دا اقرار
چشماں بحری باز تاڈیاں شوقی کرن شکار
عاشق کتلے قتل جو کیتے، صورت دے سنگھار
تیڈے کارن جوڑ پاتوسے، گل ہنجواں دا ہار
سُولی تے منصور چڑھایا، چشماں دی چمکار
کوئیں کراں، جو دل دا دکھایا، بر ہے صبر قرار
دین مذاہب کُل دے کولوں یار سچل بیزار

روتے روتے عمر گذر گئی اب آجاؤ یار
روزِ الست سے میرے سر ہے، تیرے عشق کا بار
ہجر نے کچھ نہیں چھوڑا جاں میں روؤں زار و زار
عشق نے رواں رواں باندھا تن من اس کی تار
حسن کے ہاتھوں لاکھوں آخر جان گئے ہیں ہار
تیری آنکھیں گل گلابی، خونی عجب خمار
بھری بزم میں اس کے عشق کا کر لوں گا اقرار
تیری آنکھیں بحری بازیں، ان کا شوق شکار
کیا کیا عاشق قتل ہوئے ہیں، دیکھ تیرا سنگار
تیری خاطر ڈال پروئے گلے میں انسون ہار
سُولی تک منصور کو لے گئی، آنکھوں کی چمکار
کچھ نہیں بس میں سوزِ فراق نے چھینا صبر قرار
جگ کے دین و مذاہب سے ہے یار سچل بیزار

خدا کس جا نہیں چھپیدا اللہ جگ لوک سارا ہے
نہ کوچے نہ گلی چھپیدا اللہ جگ لوک سارا ہے
بہر جائی بھی حاضر ہے اندر باہر بھی ناظر ہے
اکھیں کھولتے ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں دعوت کی درویشی کہاں دردوں کی دلریشی
کہاں رکھدا ہے بدکیشی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں لکھ ورد پڑھدا ہے کتھ اپنے نال لڑدا ہے
کہاں خونناب کردا ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں بازی گراں بازی، کہاں میدان دا غازی
کہاں مفتی کہاں قاضی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں دلقی گداگر ہے کہاں پیری مجاور ہے
کہاں سلطان سرور ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

خدا کس جا نہیں رہتا اللہ جگ لوک سارا ہے
گلی کوچے میں ہے جلوہ اللہ جگ لوک سارا ہے
وہ ہر ہر جا پہ حاضر ہے اندر باہر بھی ناظر ہے
وہ آنکھوں پر بھی ظاہر ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں دعوت کی درویشی کہیں دردوں کی دلریشی
کہیں رکھتا ہے بدکیشی، اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں اوراد پڑھتا ہے کہیں خود سے ہی لڑتا ہے
کہیں وہ قتل کرتا ہے اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں بازیگراں بازی، کہیں میدان کا غازی
کہیں مفتی کہیں قاضی اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں گدڑی گداگر ہے کہیں پیر اور مجاور ہے
کہیں سلطان سرور ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

کہاں کر دبدبے لشکر پکڑ دے زور ہر کشور
کہاں احمدؐ کہاں حیدرؓ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں ہے شان شاہی کا کہاں درجہ سپاہی کا
تماشا خوش الائی کا اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں کرتا ہے بیداری کہاں کرتا ہے لکھ زاری
کہاں چلتا ہے خمّاری اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں ہے عبدہٗ سارا کہاں اسکندر و دارا
کہاں 'انا احمدی' نعرہ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہاں مست و موالی ہے کہاں ہر کس دا والی ہے
کہاں بیچوں سوالی ہے، اللہ جگ لوک سارا ہے

کہیں دہلائے بن لشکر کہیں ہے زیر ہر کشور
کہیں احمدؐ کہیں حیدرؓ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے شان شاہی کا کہیں درجہ سپاہی کا
تماشا خوش نوائی کا اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے صرف بیداری کہیں ہے نالہ وزاری
کہیں مستی بنا ساری اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں ہے عبدۂ سارا کہیں اسکندر و دارا
کہیں "انا احمدی" نعرہ اللہ جگ لوک سارا ہے
کہیں مست و موالی ہے کہیں ہر اک کا والی ہے
کہیں سچو سوالی ہے اللہ جگ لوک سارا ہے

آکھ تاں ناؤں "فقیر" کیوں کر سڈاؤندا ایں
عشق دے میدان وچ مول نہ آؤندا ایں
غفلت وچ عمر سبھ نیڑی برباد ہوئی
مستی مے خانے ڈھوں وقت نہ کہیں جاؤندا ایں
زندگی ہے عذاب ہے ہے اوہیں یار بن
سمجھ تساکوں نہیں لوک نوں سمجھاؤندا ایں
بات برہ دی بیان کریندا ایں عالم اگوں
وائے تیڈے حال تے پیر نہ اوڈھوں پاؤندا ایں
دعویٰ کریں عشق دی خوش رہیں تعریف وچ
یار ملامت والا سر تے نہیں چاؤندا ایں
خوش لباس تے غذا دی تیکوں بہوں آرزو
یار دی جدائی کنوں انگ نہ بھسم لاؤندا ایں
مست سچل ہو رہیا پیالہ پی شوق دا
آپ تے نچدا نہیں لوکاں نوں نچاؤندا ایں

بول 'فقیر' تو خود کو کیوں کہلاتا ہے
عشق کا ہے میدان، نہیں تو آتا ہے
غفلت میں سب عمر تری برباد ہوئی
کبھی نہ مستی مے خانے کو جاتا ہے
اُس بِن جیتے رہنا ایک عذاب ہوا
تو سمجھا نہیں لوگوں کو سمجھاتا ہے
خلقت سے تو ہجر کہانی کہتا ہے
تُف ہے تیرے حال پہ خود گھبراتا ہے
عشق کا دعویدار ہے خوش خوش رہتا ہے
سر پر بارِ ملامت کہاں اُٹھاتا ہے
خوش خوراکی، خوش پوشی کا شوق تجھے
ہجر میں انگ بھبھوت تو نہیں رماتا ہے
پی کے پیالہ شوق سچل سرمست ہوا
ناچتا خود نہیں پر لوگوں کو نچاتا ہے

اس بازی وچ سر بازی ہے
سر ڈیون سر افرازی ہے
ایہو عشق دی عرض نیازی ہے
وت شاہی عشق لگاون کیا
وت تیکوں آپ چھپاون کیا

آپ کنوں گذرتوں کر انہیں
سُولی اُپر چڑھدا نہیں
مرن کولوں اگ مردا نہیں
وت عاشق نام سڈاون کیا
وت انا الحق الاون کیا

جے سر ڈیویں سانگا چھوڑیں
وچ وحدت تے دوئی بوڑیں
سنگ سیاپا سارا توڑیں
نینہہ شاہاں نال لاون کیا
وت اس گلی وچ آون کیا

دل پیر پچھوں تے مڑنا نہیں
وت ایسا سودا کرنا نہیں
وت موت کنوں بھی ڈرنا نہیں
وت باربرہ دا چاون کیا
وت در در آپ پناون کیا

یہ بازی سر کی بازی ہے
یہ عشق کی عرض نیازی ہے

سر دینا سرافرازی ہے
ورنہ کیا عشق لگانا ہے
ورنہ کیا خود کو چھپانا ہے

تو اپنے آپ سے گذرا نہ
مرنے سے پہلے گذرا نہ

سُولی کے اوپر جھولا نہ
پھر عاشق نام کا شہرہ کیا
پھر اناالحق کا نعرہ کیا

جب سر دو، ساتھ سبھی چھوڑو
اور رشتے ناطے سب توڑو

وحدت میں دوئی کو چھوڑو
شاہوں سے نین لگانا کیا
پھر اس کی گلی میں آنا کیا

نہیں اُلٹے پیروں پھر پھرنا
اور موت سے بھی ہے نہیں ڈرنا

ایسا نہیں سودا پھر کرنا
پھر بار برہا کا اٹھانا کیا
پھر در در مانگ کے کھانا کیا

عاشق ہو کر نوبت ماریں
اپنا سِر صحیح سنبھاریں
بانہب والی گالھ وساریں
وت سر دے وال مُناون کیا
وت آپنے خلق کھلاون کیا

تھی تیار تماشہ لادیں
انا الحق کلام الادیں
سُولی اُپر آپ سلادیں
خیال خودی دا کھاون کیا
وت طرح اسی وچ تاون کیا

اوہ کتلے ڈیہنہ غلامی وچ
وت سارا زور سلامی وچ
کیوں آپ گھتیوئی خامی وچ
وت سُولی سر سلاون کیا
وت آپوں آپ گھاون کیا

عشق دے ڈیرے عاشق آ
سارے سِر دے لیئں سما
اس بازی دا عجب بنا
وت گلی گلی وچ گاون کیا
وت ایسا سِر سناون کیا

بن عاشق اور نوبت یہ بجا
اور درد و الم کی بات بھلا

ہاں رازِ انا ہر اک پا جا
پھر سر کے بال منڈانا کیا
خلقت کو خود پہ ہنسانا کیا

یہ کھیل بھی اب دِکھلاتا چل
سُولی پہ خود کو سُلاتا چل

حرف انا الحق اٹھاتا چل
اب فکرِ خودی کا کھانا کیا
اسی سوز میں جان کھپانا کیا

ہاں کتنے دن ہیں غلامی کے
گھیرے ہیں اپنی خامی کے

دن سالے نذرِ سلامی کے
پھر سُولی پہ چڑھ جانا کیا
پھر خود کو بڑا بنانا کیا

تو عاشقِ عشق کے ڈیرے آ
ہیں اس بازی کے ڈھنگ جُدا

ہاں بھید کی بات کا لُطف اُٹھا
پھر گلی گلی میں گانا کیا
یہ بھید کسی کو بتانا کیا

دیں کفر کنوں منزل چاویں
پچھے مُول نہ پیر ولاویں
وت پیر اسی در پاون کیا
وت گھٹی آپ گھماون کیا

"ہو" تھی "ہو" دا حکم چلاویں
وت پیر اسی در پاون کیا
وت گھٹی آپ گھماون کیا

عاشق ہون نشانہ تھی
عالم وچ بیگانہ تھی
وت نیکوں آپ بھاون کیا
وت ایسا کام کماون کیا

یکدل یار لیگانہ تھی
وت نیکوں آپ بھاون کیا
وت ایسا کام کماون کیا

وہ عشق دے کوچے آیا ہے
ہُن درسن سارا پایا ہے
سچل سرڈے آپ سجاون کیا
وت جوشاں جی جلاون کیا

وہ کیسا قدم اٹھایا ہے
سچل سرڈے آپ سجاون کیا
وت جوشاں جی جلاون کیا

تو کفر اسلام سے بچتا جا
تو "ہو" بن "ہو" کا حکم چلا

تو پیچھے قدم نہ ایک اٹھا
پھر اس کے در پہ جانا کیا
دستک پر اس کا آنا کیا

تو عاشق بن کے نشانہ بن
اور یکدل، یار یگانہ بن

تو عالم میں بیگانہ بن
پھر جا کے اسے رجھانا کیا
پھر ایسا کام کمانا کیا

وہ عشق کے کوچے آیا ہے
اور کیسا قدم اٹھایا ہے

اب سارا درشن پایا ہے
سچل اب سر کو بچانا کیا
اس دکھ میں جاں کو جلانا کیا

میں تاں آپ مستان ہو رہی ہن نال سیاں آکھاں حال کیہا
ماہی یار محرم میڈے حال وامیڈا کم اوراں دے نال کیہا
سنو سبھ سیالیں دو گالھ میڈی رانجھو یار باہجوں ملک مال کیہا
ماہی چاک میڈی دل لُٹ نیتی تساں کیں کھیڑیاں دا خیال کیہا
جہیں دی روزِ الست میں ہو رہی تہیں دی آہس بیاد وسیال کیہا
میں کون جو تیکوں ڈورا پاڈیواں سُن یار میڈا ہے مجال کیہا
ول آکھاں لیٹجن توں ہکو میکوں میڈا تھیوے اتھاں اقبال کیہا
مہر نال بچھیں جے توں آپ میکوں سچو آکھ تیڈا ہے سوال کیہا

سانورا بانورا میڈا ماہی مولے شال ملاوے
اب کے وچھڑی، کب سوں ملے گی، ندی کنارے جاوے
راتاں ڈیہناں تاہنگ تساڈی سینے سِک نہ سماوے
اللہ کریسی ڈیہناں او ہوای انگن سچو دے آوے

میں مستی میں ڈوب گئی سکھیوں کو سناؤں حال کیا
ماہی میرے حال کا محرم غیر کا ہے جنجال کیا
سب کچھ میرا انجھا ہے میرا اور ہے مال و منال کیا
ماہی نے دل لوٹ لیا ہے اب کھیڑوں کا خیال کیا
روزِ ازل میں اس کی ہو گئی جھنگ ہے کیا اور سیال کیا
دلبر جانی، میں اور تجھ کو دُکھ دوں، مری مجال کیا
میں چاہوں پھر لوٹی جاؤں مرا ایسے ہے اقبال کیا
مہر محبت سے پوچھو سچو میرا بھی ہے سوال کیا

سانورا بانورا میرا ماہی مولے آن ملائے
اب کے بچھڑی کب سوں ملے گی، ندی کنارے جائے
شام و سحر ترا دھیان آتش سینے میں نہ ہی سمائے
ربّ کرے سچو کے آنگن اک دن وہ بھی آئے

ندی کنارے کھڑا وہ رانجھو چل ویکھو کریندا زاری
پچھ پچھ آیا سُوراج سیالیں دا
ونجھلی وجیندا سوہنا سوہنوں بہوں روندا
آب اکھیں کنوں جاری
کڈاں کڈاں سوتاں بیٹھا روندا اے
گالھ سیالیں دی سبھ کنوں پچھدا اے
تھی آیا کوئی واپاری
سُوہے دا سبھ ویس کریسوں وے
چوتے چندن نال وال گندیسوں وے
تنہیں گل گھتیسوں گاری
مشک گلاب دے نال دھولیسوں وے
خوشبویاں سبھ لنگیں کوں لیسوں وے
کرسوں کجلیاں کاری

ندی کنارے کھڑا ہے رانجھا، کرتا گریہ و زاری
کہاں کہاں سے پوچھ پوچھ کے آیا دیس سیال
بنسی پر وہ تان اڑائے دکھ میں ہو کے نڈھال
آنکھوں سے آنسو جاری
کہاں کہاں پہ بیٹھ کے رویا کیسا اُسے ملال
کس کس سے وہ پوچھ چکا ہے جھنگ سیال کا حال
آیا ہے کوئی بیوپاری
میں پہنوں گی اس کی خاطر سُرخ سہاگ کا جوڑا
بال بناؤں ایسے جن میں چندن نہ ہو تھوڑا
گردن میں پھندا بھاری
مشک گلاب سے غسل کروں اور تن من کو مہکاؤں
اِک اِک انگ کو سو سو خوشبوؤں میں میں بساؤں
کجرے سے نین ہوں کاری

عطر عبیر دا مینہ وسیسوں وے
سچو سیر ھا چاک کریسوں وے
تہیں توں تھیسوں واری واری

عشق دے باہجوں بیا سبھ کوڑ سولی تے منصور
نہ کوئی دوزخ نہ کوئی جنت نہ کوئی حور قصور
من اساڈا نہیں منیندا ملیاں دا مذکور
ڈیہنہ جوانی لنگھ گیو سے ہُن تھیو سے جھور
ظاہر ڈیکھم یار سجن دا نینیں والا نور
بیاں سبھ گالھیں پھُرتیاں پھاہیاں، چھوڑاں ہے فی ضرور
سچل سچ صحیح کر جانیں ہیئں توں آپ حضور

عطر عبیر بکھیروں ایسے جیسے مینہ برساؤں
سچّل یہ کچھ کر کے میں پھر تجھ کو چاک بناؤں
جاؤں تجھ پر واری واری

عشق بِناں سب جھوٹ ہے پیارے سُولی پر منصور
نہ کوئی دوزخ نہ کوئی جنت نہ کوئی حور قصور
دل نے کبھی نہیں مانا ہے ملّا کا مذکور
پیری آئی گئی جوانی جس کے دن مخمور
میں نے دیکھا یار سجن پر عشق سے پھوٹا نور
باقی کیا ہے، جال بچھے ہیں، ان سے بچو ضرور
سچّل ایک حقیقت تو ہے، تو ہے آپ حضور

تاب کنوں بے تاب میاں، ہیں تاب کنوں بے تاب
نہ میں گویا نہ ہیں جویا ، نہ ہیں سوال جواب
نہ ہیں خاکی نہ ہیں بادی ، نہ ہیں اگ نہ آب
نہ میں جتّی، نہ میں اُنسی ، نہ مائی نہ باپ
نہ میں سُنی نہ میں شیعہ ، نہ ہیں ڈوہ ثواب
نہ میں شرعی، نہ میں ورعی، نہ میں رنگ رباب
نہ میں مُلّاں نہ میں قاضی ، نہ میں شور شراب
ذات سچّل دی کیہی پچھدائیں نالے تاں نایاب

آندا جاندا یار دے ویہڑے دے وچ یار اساڈے
مارن کان اساڈے کیتُس صورت دا سنگار دے
لُوعطر دی مست کیتا وت کوچہ شہر بازار دے
وچ فراق وصال گھدے سچّل کیا اسرار دے

تاب سے ہیں بے تاب ہوا ہوں تاب سے ہیں بے تاب
نہ ہیں گویا نہ ہیں جویا نہ ہیں سوال جواب
نہ ہیں خاکی نہ ہیں بادی نہ ہی آتش آب
نہ ہیں جنّی نہ ہیں انسی نہ مائی نہ باپ
نہ ہیں سُنّی نہ ہیں شیعہ پاپ نہیں نہ ثواب
نہ ہیں شرعی نہ ہیں ورعی نہ ہیں رنگ رباب
نہ ہیں مُلّا نہ ہیں قاضی نہ ہیں شور شراب
ذات سچّل کی کیا پوچھو ہو، نیچ ہے پر نایاب

اس آنگن میں آئے جائے، جائے آئے یار
گھائل کرنے ہمیں وہ نکلا کر کر عجب سنگھار
مست ہوئے اس کی خوشبو سے کوچے اور بازار
وصل کی شب میں مانگی جدائی سچّل دیکھ اسرار

غیر دے خام خیال کنوں ہُن ہادی ساڈی توبہ توبہ
جیہی تیہی تیڈی آہیں دور نہ کریں وصال کنوں
آپوں آپ جمال دکھائیں میں گئی ہاں ہر حال کنوں
ناؤں سائیں دے ساکوں بچاویں غیر دی قیل مقال کنوں
عرض اساڈا من توں ہادی قسم ہے بیئے سوال کنوں
گڈھ ہوون داتیں آکھیا سانوں گھلی آں ایہیں گالھ کنوں
دین کفر توں قسم چاتو سے ساڈی بس ایہیں وبال کنوں
عشق اساں نوں الف پڑھایا ہیہہ گئی دلڑی دال کنوں
کرم سبھوئی کوڑی آکھے سچی تھیئس ایں سنبھال کنوں
جان سچل دی نال تساڈے چھیٹ گئی ہاں جنجال کنوں

مرشد میری توبہ توبہ غیر کے خام خیال سے
جیسی ہوں، محروم نہ رکھنا، مجھ کو اپنے وصال سے
آنکھ پڑی ترے حسن پہ میں تو گذری اپنے حال سے
نام سائیں کے مجھے بچانا غیر کی قیل مقال سے
سائیں اک میری عرض سنو، میری توبہ اور سوال سے
سر نہیں کھینچا ترے اک رہنے کے حکمِ کمال سے
دین اور کفر سے ہاتھ اٹھایا چھوٹی جان وبال سے
عشق نے ایسا سبق پڑھایا گذرے قیل اور قال سے
جگ، جھوٹا کہتا تھا مجھ کو، میں سچی ہر حال سے
جان سچل کی تجھ پہ فدا، میں بچ گئی ہر جنجال سے

یہہ شک گمان سبھ کہیں صورت سیر تاڈا
لکھ پوشاکاں کرکے عاشق کیتوئ ہمہ حیران
شاہ منصور دا سر کپائیو، مل کھڑا میدان
اوہ بھی توں ہیئں ایہہ بھی توں ہیں آپ کریں ارمان
ملاں تھی کر ڈیویں فتوے، آپ تھیویں قربان
سچو ہویا نام تساڈا، کریندیں آپ بیان

اول دلا سے ڈے گیا، ہُن کیہے گناہوں رُس ویندا
دل توں ساڈے وسر نہ ویندا، ہجر دے دکھ جو حال تھیا
سو سو طعنے لکھ لکھ بدیاں کر دا سارا لوک گلہ
مہراوہیں توں مول نہ چاویں پیش جو تیڈے یار پیا
عشق تیڈے دا ڈیرا دلبر ناگہ نیناں تے ہے تھیا
سنگ ہے سچل کڈاں چھوڑ نہ جاویں، سوہنا سینے نال لگا

ہر صورت میں جلوہ اس کا کیسا شک گمان
تیرے روپ ہیں لاکھوں، عاشق رہ گئے سب حیران
دار پہ دارا شاہ منصور، تُو بیچ کھڑا میدان
وہ بھی تُو تھا، یہ بھی تُو ہے، کیا کیا تیری شان
مُلّا بن کر فتوے دو، خود ہو جاؤ قربان
سچّو آپ ہی ازلی چپ ہے آپ ہی شرحِ بیان

جو دل کو سہارا دیتا تھا کس کارن ہم سے روٹھ گیا
کب بھول سکے گا دل اپنا ترے ہجر میں جو جو حال ہوا
جو طعن کے بول سہے میں نے لوگوں سے سُنا جو بُرا بھلا
گر تیری مہر ہے مجھ پر منظور ہے جو جو ظُلم ہوا
ترے عشق نے آنکھوں میں دلبر اک عمر سے ڈالا ہے ڈیرا
سچّل تو وفا کا پتلا ہے، اسے چھوڑ نہ جا، سینے سے لگا

چھوڑ گمان گدائی والا شملا چا بدھ شاہی دا
مار نعارا وحدت والا فکر رکھیں بادشاہی دا
غیر خیال گذار نہ دل تے غمزہ ہئی گمراہی دا
گمراہی وچ ہئی ہدائت نور سفید سیاہی دا
ہر کہیں طرفوں تارک تھیویں کم کر کج کلاہی دا
مار ڈغاتاں ظاہر تھیویں سُر کاپی صراحی دا
آپ سنجان انا الحق آکھیں، مانیں عیش الٰہی دا
نفی سچل اثبات کریندا ویکھو سیر سپاہی دا

بے رنگی تصویر مولا دی سو رنگ وچ سمایا ہے
آپے گاتا، آپ بجاتا آپ سمیع بصیر
کتھاں لیلیٰ، کتھاں مجنوں، کتھاں نینگر پیر
کتھاں صاحب حکم چلیندا کتھاں سڈیندا فقیر
سچل ہر جا رنگ رانجھن دا حاجت نہیں تقریر

چھوڑ گمان گدائی والا شملہ باندھ لے شاہی کا
مار نقارہ وحدت والا، فکر ہو شاہنشاہی کا؟
غیر خیال گذار نہ دل سے ساماں ہے گمراہی کا
اس میں بھی ہے نور ہدائت نور سفید سیاہی کا
تارک ہو تو دنیا کا کر کام یہ کج کلاہی کا
مار کے ڈھول تو ظاہر ہو پی گھونٹ یہ مے کی صراحی کا
خود پہچان انا الحق کہنا، کرنا عیش الٰہی کا
نفی سے ہے اثبات سچل ہاں دیکھو روپ سپاہی کا

بے رنگی مورت مولے کی سو رنگوں میں سمایا ہے
آپ ہی گائے آپ بجائے آپ ہی سمیع بصیر
مجنوں کبھی ہے، کبھی ہے لیلیٰ کبھی جواں کبھی پیر
کہیں پہ حاکم حکم چلائے کہیں بنے وہ فقیر
سچل سب رنگ رانجھے کے میں کیوں کیجے تقریر

نال ڈاہڈے دے یاری لگڑی روزِ ازل کنوں
بانہاں بدھ کے پیش پواں ہیں، نال سائیاں دے زاری
علم عقل تے شرم حیا، کنوں عشق کیتی بیزاری
اپنی مرضی نال اساں خود برہ چا توسے باری
آنگن اساڈے نال کرم دے آتوں سجن مک واری
عشق تیڈے دی دل میڈے تے، اصل کنوں مختاری
تیکوں ہے معلوم اے پیارا گالھ سچل دی ساری

حسن اساں تے ہلاں کیتیاں کنھوں آکھاں حال
چت دا چولا تیڈے کارن رو رو کیتم لال
دوست تساڈے درد دے باہجوں جیون سبھ جنجال
نظر اساکوں کوئی نہ آیا پیار بناں بیا مال
نال سچل دے آن گذاریں سُن میڈا توں سوال

روزِ ازل سے لگی ہوئی ہے اس منہ زور سے یاری
ہاتھ باندھ میں عرض گذاروں سُن مرا نالہ وزاری
عقل اور علم اور شرم و حیا سے عشق کو ہے بے زاری
جی چاہا تھا ہم نے اٹھالی ہجر کی گٹھڑی بھاری
کرم کرو، مرے آنگن آؤ؛ بے شک ایک ہی باری
میرے دل پر ایک تمہارے عشق کی ہے سرداری
پیارے تو جانے ہے سچل کی جو ہے حقیقت ساری

حسن نے کیا یلغاریں کی ہیں کس سے کہوں میں حال
خون کے آنسو رو رو کر ملبوس ہوا ہے لال
اور اگر نہ ہو دردِ جدائی تو جینا بھی محال
جگ میں پیار کا سودا سچا، کھرا یہی ہے مال
آؤ سچل سنگ عمر گذارو، مانو مرا سوال

نیناں والی نوک اساں نوں سانوں لائیوای یار
ویکھن نال حیران رہی ہیں اکھیاں دا اسرار
محض ایہناں منصور مرایا بخونیاں دے بھی خمار
ڈٹھڑ دای کیہہ عالم دے وچ عاشق تھی اظہار
کئی دانا دیوانے کیتے چشماں دے چمکار
رُخ تے زلفاں لٹکن مٹکن خون کرن خمدار
کالے وال کار بہروانگے چارے تھئے چودھار
مونہہ ڈٹھم مہتاب سچل دا کیتم حج ہزار

اساں ونجنا تخت ہزارے رہنا راوی دے کنارے
ایہہ دل ساڈی تھئی دیوانی ویکھن ہک نظارے
ہو کنیزک ونج اتھائیں باقی ساعمر گذارے
ٹھڈڑیاں ٹاہلیاں راوی دا ایاں جتھاں رانجھو مست پکارے

ان نینوں سے ہم کو کیسا گھائل کر گیا یار
دیکھ کے میں حیران ہی رہ گئی آنکھوں کے اسرار
یہ منصور کو لے بیٹھیں، یہ خونیں مست خمار
دیکھا جگ میں عاشق کی ہے کیا طرزِ اظہار
کیا کیا دانا ہوئے دوانے چشم کی ہے چمکار
خون کریں کیا کیا، رُخ پر بکھری زلفیں خمدار
بال، گھٹائیں شاہ کالی، تاریک ہوئے چودھار
سچل چاند کا منہ دیکھا مرے ہو گئے حج ہزار

ہمیں جانا تخت ہزارے رہنا راوی کے کنارے
دل اپنا ہوُا دیوانہ مانگے بس خاص نظارے
وہاں رہنا باندی بن کے یوں ساری عمر گذارے
راوی کی ٹاہلیاں ٹھنڈی جہاں رانجھو مست پکارے

ہے ضرور اساں کوں ونجنا اُتھاں کیتا یاد پیارے
سُن وے سجّو ہکو رانجھن جانیں لگ نہ کہیں دے لالے

لگڑی ونج دل رانجھے نال اڑے لوکو اڑے لوکو
روح اساڈا راتیں ڈیہناں پیا وچ خاص خیال
رانجھو تخت ہزارے والے ہیں تاں ہیر سیال
دل تے آجو محکم رہی رانجھو دی ہک گالھ
اصلوں تہیں دے نال جو آہی جی میڈے دی جال
عشق رانجھو دا اندر وڑیا وسر گئی بئی چال
کیوں اپنا میں حال سناواں برہ کیتا بے حال
اگوں سجن دے عرض کرن دی میڈی کیا مجال
حاضری وچ ہمیشہ ہووی سجّو توں آپ سنبھال

لازم ہے ہمیں واں جانا ہمیں یاد کیا ہے پیارے
رانجھن بس ایک ہی سچّو لگنا نہ کسی کے لارے

دل رانجھے کے نال ری دنیا دل رانجھے کے نال
شام و سحر اس دل میں بسے بس ایک ہی خاص خیال
رانجھو تخت ہزارے والا میں ہوں ہیر سیال
دل پر آکر بیٹھ گئی رانجھو کی بات کمال
روزِ ازل سے اس سنگ تھے مرے سارے سُر اور تال
دل میں عشق سمایا ایسا بھول گئی ہر چال
کیسے حال سناؤں دل کا ہجر سے ہوں بے حال
یار سے جا کر عرض کروں میں نہیں ہے میری مجال
سچّو اس کے حضور رہو پر رکھنا خود کو سنبھال

آپے محرم ہویا مہیں دا آپے محرم ہویا شاہ جی
نہ میں یاراں نال یاری لائی نہ میں عشق کمایا شاہ جی
نہ میں وچ تماشے آئی نہ میں پیر چلایا شاہ جی
نہ میں اِتھاں سیندھ گنڈائی نہ میں کوئی چت لایا شاہ جی
نہ میں شہ دے کول جو بیٹھی نہ میں سہرا گایا شاہ جی
سچو دا سہر تیں توں صدقے رہبر راز بتایا شاہ جی

کلنگی والا یار شالا جیویں لکھ تھیویں یار
سدا جگ جیویں
مُلک تساڈے، مِلک تساڈی، کیا جو تخت ہزار
سبھ سیالیں تیں توں صدقے کیتی ہیر نثار
میں تاں کوجھی کملی کالی توں صورت دا سینگار
سچو نمانا در تیڈے تے روندا زار و زار

محرم راز بنا وہ میرا محرم راز بنایا شاہ جی
نہ یاروں سنگ یاری میری نہ ہی عشق کمایا شاہ جی
نہ ہیں تماشے میں آئی نہ آگے قدم بڑھایا شاہ جی
نہ ہی بال سنوارے نہ ہی دل دنیا میں لگایا شاہ جی
شاہ کے پاس نہ بیٹھی ہوں نہ میں نے سہرا گایا شاہ جی
سچو کی جاں تجھ پہ قرباں تو نے بھید بتایا شاہ جی

کلغی والا یار سالا جیویں لکھ تھیویں یار
سدا جگ جیویں
مُلک تمہارے، مِلک تمہاری کیا ہے تخت ہزار
سب سیالاں تجھ پر صدقے ہو گئی ہیر نثار
میں کوہجی کالی کملی تو صورت کا سنگھار
سچو نمانا در تیرے پر روئے زار و زار

آ ہل میڈی جان، آ ہل، آ ہل، آ ہل بیبا
عشق دیاں گالھیں ہن منصوبے عشق دا کیہڑا امکان
کیہڑا امکان وے بیبا!
اساں نمانیاں تے سوہنا سائیں آؤ کریں احسان
آؤ کریں احسان وے بیبا!
عشق تساڈے ڈیکھ جو کیتا توں ہیں سچل سُلطان
توں ہیں سچل سُلطان وے بیبا

اپنے ویہڑے دا چاغلام کیتوئی

ہوش اساڈا ہکو واری نیناں نال نیتوئی، چاغلام کیتوئی
ہجر گھتیوئی آن یتیماں کیویں دور سٹیوئی، چاغلام کیتوئی
اکھیاں کالیاں لعل شرابی مے دا مٹ پیتوئی، چاغلام کیتوئی
ساہ سریریوں یار سچل دا لیئے نال لیتوئی، چاغلام کیتوئی

آ ہل میری جان، آ ہل، آ ہل، آ ہل پیارے
عشق کے کیا منصوبے ہیں اور اس کا کون مکان
کون مکان لے پیارے
ہم پر سوہنا دلبر سائیں آؤ، کرو احسان
آؤ کرو احسان لے پیارے
تیرے عشق نے ہم سے کیا کیا تو ہے سچل سلطان
تو ہے سچل سلطان لے پیارے

اپنے گھر کا کیا غلام

ہوش تمہارے نیناں لے گئے قصہ ہوا تمام، اپنے گھر کا کیا غلام
ہجر دیا اور کر لیا تو نے اپنا دور مقام، اپنے گھر کا کیا غلام
آنکھیں کالی، لال شرابی پیا ہے جام پہ جام، اپنے گھر کا کیا غلام
سانس کی ڈوری یار سچل کی پہنچی تا انجام، اپنے گھر کا کیا غلام

عشق دی خبر نہ تیکوں ہے برہ دی خبر
جے پچھے اساں کنوں ہے بے زباں زہر
تیکوں نہیں کیتا ہے اچھا برہ بے خبر
سرجان دل سبھائی اگوں دوست ڈر نہ ڈر
نہیں خواب، نہیں آرام، ایہو عشق دا اثر
ڈیندا اوّل نکالی تیکوں سارا شہر
سچل اساڈے کیتے ہوویں روز منتظر

ایہیں سنسار دے وچ یار تماشا ویکھن آیا ہے
رنگاں رنگ وچ یار پیارے، عجب جیہا رنگ لایا ہے
آوڑی سیاں جھمّر ماروں، اَج سارا کم سجایا ہے
لکھ لکھ پھیریاں دلبر ڈیندا ناچو ناچ نچایا ہے
بیرنگی ایہیں رنگ دے اندر سچل آپ رلایا ہے

نہ عشق کا تو شناسا نہ ہجر کی ہے خبر
جو ہم سے پوچھو تو اس زہر میں نہیں ہے ضرر
نہیں کہ سوزِ محبت گیا ہے جاں میں اُتر
گذار یار کی خدمت میں جان و دل مت ڈر
نہیں ہے خواب نہ آرام، عشق کا ہے اثر
کہ شہر والوں نے تم کو کیا ہے شہر بدر
اور انتظار کرو تم سچلؔ کا شام و سحر

اس پھیلے سنسار میں یار تماشا دیکھنے آیا ہے
رنگوں کے اس میلے کو کیا یار نے رنگ لگایا ہے
آؤ سکھی ری جھومر ڈالو یہ منظر خوش آیا ہے
دلبر لاکھوں بھیس بدے اور کیسا ناچ نچایا ہے
ان رنگوں میں بیرنگی کو سچلؔ اس نے ملایا ہے

عشق ڈتا احوال جنھاں نوں برہ کیتا بے حال تنھاں نوں
سودا سر دا سور نہیں کیتا ہویا مُڑن محال تنھاں نوں
ہر دو جہان کوں پٹھی ڈیون ہویا خاص خیال تنھاں نوں
جیہڑے سدھ سبھائی چھوڑن کینا نینہہ نہال تنھاں نوں
جیہیں کوں شوق محبوب ملن دا جیون اتھ جنجال تنھاں نوں
سچل سائیں جیہیں نوں ملیا حاصل ہویا حال تنھاں نوں

ہر جا حکم ہلائیں توں یار، بھلا بھلا
جوگی تھی کر جگ وچ آکر الگ بھبھوت رمائیں توں
رنگا رنگی ویس جو کر کے چھیرا تھاں چمکائیں توں
جو بن جلوہ کر کے آندیں آپ پنجیں پنجوائیں توں
نعرہ مار انا الحق والا بر سر دار چڑھائیں توں
آپ کوں آپے ڈے کے ڈکھالے سچو ناں سڈائیں توں

عشق دکھائے حال جنہیں، ہجر کرے بے حال انہیں
جنھوں نے سودا سر کا کیا مڑنا ہوا محال انہیں
دونوں جگ ہی چھوڑ دیئے تیرا خاص خیال انہیں
جو سب کچھ ہی چھوڑ گئے پریم نے کیا نہال انہیں
جن کو شوقِ وصال ہوا جیون ہے جنجال انہیں
سچل سائیں ملا جنہیں کر گیا صاحبِ حال انہیں

ہر جا پر تو اپنا بھلا بھلا سا حکم چلائے
جوگی بن کر جگ میں آئے انگ بھبھوت رمائے
رنگ برنگے بھیس بدل کر جگ کو تو چمکائے
حسن کا جلوہ آپ کرے خود ناچے اور نچائے
نعرہ مار انا الحق والا تو سولی پہ چڑھائے
آپ ہی دیکھے روپ اپنے اور کیا کیا تو کہلائے

تیڈیاں چشماں کیستا چوُر کہیں کوں آکھاں گالھ ایہیں حال دی
بُلھے شاہ کوں بیراگی کیتو ئی جیہیں دا شہر قصور
نازنیناں دے نال پیارا سُولی چاڑھیوئی منصور
سرمدنوں لت ڈے کہایوئی ورہ نیستا وَ ھلور
شمس الحق دی کھل کھلایوئی مُلکیں وچ مشہور
قتل تاڈا تنہاں قبویا جو ہوندے وچ حضور
سچو حیرت دے وچ ہوویں بیئے محو کریں مذکور

کڈاں شاہ امیر بنیندا ہیئں کڈاں پیر فقیر سڈیندا ہیئں
کڈاں آپ وچ صلح کریندا ہیئں کڈاں آپ دے نال لڑیندا ہیئں
کڈاں ہو کا سچ پھریندا ہیئں کڈاں سُولی اپر چڑھیندا ہیئں
کڈاں کفر ایمان منیندا ہیئں کڈاں آئت مصحف پڑھیندا ہیئں
کڈاں سچل، حاکم ہوندا ہیئں کڈاں آپے دُہل وجیندا ہیئں

کس کو بتاؤں حال کہ تیرے نیناں کر گئے چور
بیراگی کیا بُلھے شاہ کو جن کا شہر قصور
ان نینوں کے کارن سُولی پر لٹکا منصور
سرمد کو بھی تو نے دار پہ وارا اے مغرور
شمس الحق کی کھال کھنچا دی جگ میں ہے مشہور
موت انہیں منظور ہوئی یہ، تھے جو ترے حضور
سچو اس حیرت میں رہنا بھول کے سب مذکور

کہیں شاہ امیر بنے ہو تم کہیں پیر فقیر ہو بن بیٹھے
کبھی کام ہے صلح صفائی کا کبھی خود سے کرتے ہو جھگڑے
اعلان کہیں پر سچ کا ہے کہیں سولی پر ہو لے جاتے
کبھی کفر ایمان کی باتیں ہیں کبھی آئت مصحف ہو پڑھتے
سچل وہ کبھی تو حاکم ہے کبھی گلے میں ڈالے ڈھول پھرے

بول بکھی پر دلبیڑا وے توں کیہڑے دیسوں آؤندا ایں
مونہہ دتے مُرلی پیریں گھونگھرو گلی گلی دو دجاؤندا ایں
اُتھوں آیا ہیں پیروں ننگڑا اتھاں پا در پاؤندا ایں
جڈاں توں آیوں دھوندھ محل وچ تڈاں کیا کجھ کھاؤندا ایں
جڈاں توں آیوں مد گھر وچ وعدہ نت بُھل جاؤندا ایں
'لالہ' 'موہن' لج نہیں آؤندی ذرہ نہیں شرماؤندا ایں
سچو ذات صفات دے اندر سبھوں آپ سماؤندا ایں

نیناں دی ہیں ماری... ماری ہو ہو نیناں دی
عاشق بانہاں بدھ کراہن کھڑا کریندا زاری
ہیں ایانی، نیونہہ کیا جاناں، برہ چاڑھیونیں باری
ہیں نمانی کوں مژگاں والا کیسہ ماریوئی کاری
سچو آکھ سیاں دے اگوں حال حقیقت ساری

بول رے پنچھی پردیسی تو کون سے دیس سے آیا ہے
لبوں پہ مُرلی پاؤں میں گھنگھرو گلی گلی کیا گایا ہے
وہاں سے ننگے پاؤں آئے اب کیا ان میں سجایا ہے
دھند محل میں آیا ہے وہاں کیا کیا تو نے کھایا ہے
وہاں سے اس گھر میں آئے تو وعدہ روز بھلایا ہے
لالہ "موہن" شرم نہ آئے تو نہ ذرا شرمایا ہے
سچو ذات صفات کے اندر وہ خود ہی تو سمایا ہے

نینوں کی میں ماری ہائے ہائے نینوں کی میں ماری
باندھ کے ہاتھ کھڑا ہے عاشق کرے ہے نالہ و زاری
میں معصوم ہوں عشق نہ جانوں، برہا بوجھ ہے بھاری
مژگاں والے نے بے بس پر وار کیا ہے کاری
سچو سکھیوں پاس کہو جا حال حقیقت ساری

کیویں کاغذ کیتائی کارا ہائے ہائے دے یارا
عالم سارے کوں مسئلے والا سبق پڑھایو ئی سارا
کیتو ئی مونہہ کتاباں ڈھوں بھُل گیوں بے چارا
بیاں گالھیں سبھ چھوڑ کراہن دو راہ گھنیں ونجارا
کیہہ کر گالھ الست والی، دسر گیوئی دے سارا
ورد وظیفے دا راتیں ڈیہناں کریندائیں لکھ شمارا
سچل یار سجن دا ڈیکھو ہے تاں محل مچارا

اُلٹ بازی گرو یکھو عشق دیاں اُلٹیاں بازیاں
برہ دیاں باتاں سُنو سیتاں تن من اندر تازیاں
علم حقیقی عاشق جانن، کیا جانن مُلاں قاضیاں
محبت دے میدان وچوں گوئے چاتی کنھاں غازیاں
سچل ہر دم در اللہ دے کردا سو لکھ آزیاں

ہائے ہائے کاغذ کیوں کالے کرتا ہے میرے یارا
کُل عالم کو سبق پڑھایا مسئلوں والا سارا
وہ تو کتابوں میں کھویا ہے رستہ بھول بیچارا
سب باتوں کو چھوڑ کے اپنی راہ پہ چل بنجارا
روزِ ازل کو یاد تو کر کیا بھولا عہد وہ سارا
وِرد وظیفے شام و سحر معمول بنے ہیں تمہارا
یار سچّل ساجن کا دیکھو اونچا محل منارا

اُلٹا بازی گر ہے دیکھو عشق کی اُلٹی بازی
کتھا برہا کی سُن سُن کر تن من میں لہر ہے تازی
علم حقیقی عاشق جانیں نہ جانیں مُلّا قاضی
گوئے محبت لے گیا اس میداں سے کون سا غازی
سچّل ہر دم در اللہ کے کرے ہے عرض نیازی

دم اللہ وسدا ملک ربانی، سُن میاں تاضی، نہیں دل راضی، تیں کیہڑا جھگڑا لایا
اوّل عشق اللہ نوں ہویا جنھے رسُولؐ اُپایا
دوجا عشق محمدؐ نوں جنھے کلمہ پاک پڑھایا
تیجا عشق چونہہ یاراں نوں جنھاں صدق خوب کمایا
ہک دیہاڑے مُرشد مینوں آپ اینویں فرمایا
ایہو طریقہ وحدت والا، سانوں بہوں خوش آیا

کھیڑیاں نال گذارم ڈیہہ ہنڑ ڈیہہ ہُن ویندی آں رانجھن یار ڈھوں
میں موئی دی ہن دل شاد ہوئی گھلیا واتیڑا اوہیں پار ڈھوں
اس جگ دیاں جایاں چھوڑ کے کھدیاں سچے اسرار ڈھوں
توں سیں ہینا سبھے اتھ چاتوں دیر نہ پوسے دلدار ڈھوں
کیہتے تائیں اتھ مجور ہوسیں آیا پا ہندی اصل اسرار ڈھوں
بھگے شک سچوڈے غیر کنوں دل اپنی اعتبار ڈھوں

سُن میاں قاضی، دل نہیں راضی، کیا جھگڑا ہے لایا
اوّل عشق ہوا ہے رب کو جس نے رسُولؐ اُپایا
دوئم عشق محمدؐ کو جس کلمہ پاک پڑھایا
اس کے بعد ان چاروں یاروں نے ہے صدق کمایا
اک دن میرے مُرشد نے مجھ سے ایسے فرمایا
یہی طریقہ وحدت والا، خوش ہو کر اپنایا

دن کھیڑوں سنگ کئی گزارے اب ملوں میں رانجھن یار سے
ہیں درماندہ شاد ہوئی آئے جھونکے جب اس پار سے
اس جگ میں کیا دل کو لگانا، نہیں چھوٹی ہیں افسار سے
اس کا ٹھکانا افضل ہے چلیں چل کے ملوں دلدار سے
ہجر میں کب تک جان کھپاؤں دور رہوں اسرار سے
واقف ہو اعتبار سے اپنے اور سچو کے اغیار سے

رانجھن چاک سڈایا کہیں نوں کوک سناواں
عبرت وچ اوہیں دے آہس جیہیں تختوں جھنگ پچایا
آدم دا کر جوڑ آئینہ آپ کوں ڈیکھن آیا
آہا شاہ، مقیادت چاکر ایہو تاں ہُنر ہلایا
بازیگر تھی بازی کھیڈے بازی سیل بنایا
ظاہر باطن رسم اوہیں دا کیتس کو نہ کنایہ
سمجھ سچو ہر ہک وچ سائیں جیں ڈیکھ تماشا لایا

کتھ بابل کتھ مائی سیوڑی ہیں تاں رانجھن دے لڑ لگیاں
ہیں تاں رانجھن بک تھیوسے کھیڑیاں نال جدائی
بیلے ویساں رانجھو والے چھوڑ بانی شاہی
بئی ہر کائی ماپیو جائی ۔ ہیر عشق دی جائی
سچو آکھے سوز ماہی دا ڈیندا عشق گواہی

کس سے کروں فریاد کہ رانجھن خود چاکر کہلایا
یہ بھی سوچو کیسے تخت ہزارے سے جھنگ آیا
آدم کے شیشے میں دیکھو خود کو دیکھنے آیا
اس کا فن ہے راجہ تھا وہ اور چاکر کہلایا
وہ بازیگر، دنیا کو ہے بازی گاہ بنایا
ظاہر باطن اسم اسی کے کوئی نہیں کنایا
سچو، سائیں ہر شے میں، پر کیسا کھیل رچایا

میں رانجھے کی ہیر اب کوئی بابل ہے نہ مائی
میں اور رانجھا ایک ہوئے کھیڑوں سے ہوئی جدائی
رانجھن کے سنگ جاؤں گی میں چھوڑ بہانی شاہی
ہر کوئی ماں پے جایا لیکن ہیر ہے عشق کی جائی
سچو کہے کہ سوز ماہی کا عشق کی اصل گواہی

نہ جاناں نہ جاناں جوگی کیہے دیسوں آیا
اگے کڈاہاں نہیں سو ڈٹھم صورت تاں نہ سنجانا ں
کیوں کریندا سُنونی سیّاں نال میڈے کیہا مانا ں
گل وچ کفنی دست پہوڑا آؤ ملیندیاں بھانا ں
میں او ہوای رانجھن آہس تیڈے درتے وکانا ں
مہنے طعنے سب لوکاں دے سچو ساہ سیبا ناں

کیا تھیوای دو کیا تھیوای آکھ سیّاں کوں کیا تھیو ای
راتیں ڈیہناں رووں تیکوں کوئی پُور پریں دا پیو ای
دوستی دی گالھ وچوں ڑی آکھ تاں کیا وٹیو ای
اساں سیالیں وچوں باہر ئیں ایں کیا کیتو ای ٹُسی کیا کیتو ای
نصیحت اساڈی توں نہیں منیندی ایں ہوش ساڈا ہُن گیو ای
سچو پریں دے پار کنوں ساکوں ایہا سنیہا عشق آیو ای

جوگی کون سے دیس سے آیا میں نے یہ نہ جانا
پہلے کب دیکھا تھا اس کو میں نے نہیں پہچانا
مان کرے کیوں مجھ پر سکھیو، مجھ کو یہ سمجھانا
گلے میں کفنی ہاتھ میں پہوڑا اس نے کس کو پانا
میں وہی رانجھن جس کا نصیبہ در تیرے پر بک جانا
بول سُنے وہ مشکل ہو گیا سانس کا آنا جانا

کیا گذری ہے تجھ پر اپنی سکھیوں کو ہی بتا
شام و سحر رونے میں گذریں لگا ہے غم تجھے کیا
عشق کے سودے میں ری سکھی کیا تو نے لیا کما
باہر ذات سیال سے نکلی کیا کیا تو نے کیا
بات ہماری کوئی نہ مانی بیٹھی ہوش گنوا
پریت نگر سے ملا سندیسہ عشق ہے تری دوا

رانجھن لے چل اپنے نال
نہیں تاں مرمر جاندیاں وا لا
عشق تساڈے ماریا نعرہ جھنگ سیال بھی چھوڑم سارا
تخت ہزارے آندی آں وا لا
تیڈے کیتے پھراں اُداسی ویس وگا سبھ رنگ سناسی
بہوں بہوں اِتھ ماندی آں وا لا
درد فراق جو مینوں ماریا خویش، قبیلہ، وطن وسایا
خون جگر دا کھاندی آں وا لا
توں تاں میڈے دل دا جانی عشق گھتی ہے گل وچ گانی
جوگن تھی کر گاندی آں وا لا
گھت جدائی میکوں نہ ماریں سچو، سائیں توں نہ وساریں
پاندچی وچ پاندی آں وا لا

رانجھن لے چل اپنے ساتھ
نہیں تو جان سے جاتی ہوں۔ دواللہ

تیرے عشق نے نعرہ مارا　　جھنگ سیال بھی چھوڑا سارا
تخت ہزارے آتی ہوں ـــ دواللہ

تیری خاطر پھروں اداسی　　بھیس بدل کر بنوں سنیاسی
جان کو یہاں کھپاتی ہوں ـــ دواللہ

دردِ فراق نے مجھ کو مارا　　بھولی وطن قبیلہ سارا
خون جگر کا کھاتی ہوں ـــ دواللہ

تو ہے میرے دل کا جانی　　گلے میں تیری پیار نشانی
جوگن بن کر گاتی ہوں ـــ دواللہ

مجھے جدائی سے نہ مار　　سائیں مت بن بھولن ہار
میں فریاد سناتی ہوں ـــ دواللہ

ساڈے گھر آیا..... آیا سوہنا ، سدا آیا
اپنا وعدہ آپ پالیونیں اساں تاں درشن پایا
وِسر گیو سے فلک ہجر دا گل سجن چا لایا
معاف مدایاں سب کیتو نیں یار سانوں پرچایا
آنگن میڈے ٹر آیا سو ہیلے مولیٰ محب ملایا
سچل جہیں دا سگ ہے اصلوں سر میڈے اُوں دا سایہ

پہلے وسدا رانجھو یار اساں نمانیاں نوں اللہ بلیندا
تہیں دے عشق آرام وِنجایا گیا سو صبر قرار
ڈو نہیں جہانیں وچوں یار سجن دا عشق کیتم اختیار
رانجھن جیہا ہور نہ کوئی بیئے کھیڑے لکھ ہزار
انگن اساڈے جے رانجھن آوے دل تھیوے باغ بہار
ہے سچو کوں سوہنے باہجوں ردون زار و زار

وہ دلبر وہ جانِ جاناں، گھر میں ہمارے آیا
خوب نبھایا وعدہ اس نے، ہم نے درشن پایا
ہجر کا دشت بھی بھولا جب ساجن نے گلے لگایا
سارے معاف گناہ کیے اور دل میرا بہلایا
آئے تڑپ کے آنگن میں مولا نے محب ملایا
سچل میں سگ جس در کا اس کا میرے سر سایہ

رب سے آپ ملائے ہم کو ملے جو رانجھو یار
عشق ترا، آرام بھی لے گیا، لے گیا صبر قرار
دونوں جہاں سے چنا ہے ہم نے تیرا عشق اے یار
رانجھن کا نہیں ثانی کوئی، کھیڑے لاکھ ہزار
رانجھن آئے گھر میرے جو، دل ہو باغ بہار
لیکن وہ نہ ملے تو سچو رونا زار قطار

جڈاں سمجھ پئی ہے دل کوں تاں ایہہ جگ سارا ہیں ای
بھنگ سیال بھی سیرا ساڈا تخت ہزارا ہیں ای
ہر کہیں طرفیں ویکھ ونجایا عشق نظارا ہیں ای
محبت دے میدان دے اندر مار یا نعرہ ہیں ای
دل وچ دھماں عشق مچایاں نت پیا ہیں ای
ڈوہاں جہاناں دے وچ سچو ہاں بے چارہ ہیں ای

سوہنے نال اساڈیاں اکھیاں اڑکن. ہو اڑکن
غمزے رمزے یار سجن دے کڑکن ہو کڑکن
درتیڈے کنوں عاشق شوہدے پھڑکن ہو پھڑکن
سوز تیڈے کنوں برہے والے پھڑکن ہو پھڑکن
عشاقاں دے سر سولی تے لڑکن ہو لڑکن
برہا دیاں بھاہیں سچل دل وچ بھڑکن ہو بھڑکن

جان لیا جب دل نے تب سے یہ جگ سارا میں ہوں
جھنگ سیال بھی شہر ہے میرا تخت ہزارا میں ہوں
چاروں کھونٹ میں دیکھ بجایا، عشق نقارہ میں نے
منزلِ عشق پہ جا پہنچا تو منعرہ مارا میں نے
دل میں عشق نے دھوم مچائی نت چمکارہ میں ہوں
دونوں جہاں میں سچ لیکن اِک بے چارہ میں ہوں

سوہنے سنگ ہماری آنکھیں اڑکیں ہو اڑکیں
یار سجن کے عشوے غمزے کڑکیں ہو کڑکیں
ترے در پہ ہجر کے مارے پھڑکیں ہو پھڑکیں
ہجر کے سوز سے تیرے عاشق دھڑکیں ہو دھڑکیں
عاشقوں کے سر سولی اوپر لٹکیں ہو لٹکیں
سچل ہجر کے شعلے دل میں بھڑکیں ہو بھڑکیں

نیناں دی عجب نگاہ دل دل ہوندیاں ہادی دے نال
ہادی سانوں سِرّ ایہیں دی ایہا ڈکھائی راہ
اِتھاں پھیریاں ڈے کر رہیاں آپ لہاں ہر گاہ
کِتے تائیں نظر نہ آیا بن اللہ آگاہ
اکھیاں دے وچ سب کجھ آہا متاں ہتھیویں گمراہ
سچل تینوں رمز ڈکھالی، ہادی ہتھیا ہمراہ

اوہی اندر اوہی باہر اوہی آہا مُو بمُو
ہر کہیں جا ظہور تہیں دا ہر کہیں کوچے سُو بسُو
آپ پھر بیندا لکھیں لباساں ہر کہیں خانے خو بخُو
اوہی روندا، اوہی ہسدا صاحب سوای ہُو بہُو
وَھُوَ مَعَکُم ایہا بشارت جانب وسدا جُو بجُو
آپ کنوں کڈاں خیال نہ باہر سچل بہندا روبرُو

نین نہ بھولیں اس کا نظارہ واہ ہادی کی نگاہ
مرشد نے یہی راز بتایا، یہی دکھائی راہ
جو بھی جگ میں کیا ہے اس پہ ہوگی آہ یا واہ
بن اللہ کوئی نظر نہ آیا، جس کو کہیں آگاہ
آنکھیں سب کچھ جان گئی ہیں مست ہونا گمراہ
راز کی بات بتا دی سچل مرشد تھا ہمراہ

اندر وہ ہے باہر وہ ہے وہ ہے میرے مُو بمُو
ہر جا جلوہ اس کا ہے ہر کوچے میں اور سُو بسُو
لاکھوں اس کے بھیس ہوئے ہر اک لیکن خُو بخُو
وہ روئے اور وہی ہنسے ہے صاحب سارا ہُو بہُو
وَھُوَ مَعَکُمْ، ہوئی بشارت وہ رہتا ہے جُو بجُو
سچل اس کا دھیان ہے ہر دم وہ بیٹھا ہے رُو برُو

نور بھریا رُخ پیارے دا اُلا پیارے دا دلدارے دا
میں نمانی ہیر جٹی توں صاحب تخت ہزارے دا
سوہنا مینوں اینویں بھاندا جیویں گل ہزارے دا
دڈڑے ویلے جو شاہ ملیا تھیا سبب ستارے دا
مستاں نوں سرمست جو کیتوای سچو کون بچارے دا

رانجھن نوں پر چائیں کھیڑا رُٹھا ناں گھولیا وو
میں رانجھن دی رانجھن میڈا کھیڑا کون بلائیں
لوکاں لیکھے چاک مجھیں دا رانجھن سہ دا سائیں
نال رانجھن دے کیوں نہ چراواں مجھیاں کیٹاں گائیں
ساہ سچو دا سوہنل کیتے منگدے بہوں دعائیں

رانجھو کھیڑا ڈوہیں میں ہاں ہیبر رہی وچ کنھے کنھے
جھنگ سیال تے تخت ہزارا ڈوہیں ڈِٹھم اتھے اتھے

دلدار کا میرے پیارے کا، رُخ نور منور پیارے کا
میں عاجز جٹی ہیر اور تو ہے صاحب تخت ہزارے کا
مجھے یار سجن یوں لگتا ہے جیسے ہو پھول ہزارے کا
جو نورِ سحر میں شاہ ملا، تھا کام وہ صرف ستارے کا
جہاں مست ہوئے سرمست وہاں کیا حال ہوا بے چارے کا

کھیڑا روٹھا، صدقے کروں میں رانجھن کو پرچائیں
میں رانجھن کی رانجھن میرا کھیڑے کون بلائیں
لوک کہیں اسے چاک مہیں کا میرے سر کا سائیں
سنگ رانجھن کے کیوں نہ چراؤں مجھیاں، کٹیاں گائیں
سچل اس کے دم سے دم ہے مانگوں بہت دعائیں

رانجھو کھیڑا دونوں ایک تھے رہ گئی ہیر سیال کہاں
جھنگ سیال اور تخت ہزارہ دونوں دیکھے ایک جہاں

اساں پیو سے ونج اتھائیں ناں نہ کہیں دا تتھے تتھے
گم ہوئی بھی ہیر اتھائیں موج ڈڑھی آہی جتھے جتھے
سیجو صاحب ہکو آہا وال نہ کائی دِتھے دِتھے

چھوڑ ہبانی شاہی دو میں وطن را نجھو دے ولیاں
ہٹکے ہوڑے بابل بھائی متاں ڈیوے سانوں مائی
سٹ کھیڑے تھیساں راہی دو
سبھ سہیلیاں مِل کر آندیاں تھی ایلازی پلو گل پاندیاں
گھن مہتیاں تھی ڈاہی دو
اوراں دے نال ماہی کیویں منّھاں طرف نجھو دے عینیاں ٹھاں
گھن کے قلم سیاہی دو
سیجو دی دل تھئی اداسی بے دس ہو کے پھرے سنیاسی
اصل کنوں اینویں آہی دو

جا کے بسے پھر اس کے دوارے جہاں نہ نام نہ کوئی نشاں
وہیں پہ ہیر تمام ہوئی تھی ڈوب گئی تھی موج جہاں
سچو، صاحب تو یکتا تھا رہا نہ فرق فراق وہاں

رانجھو سنگ میں جاؤں گی ہاں چھوڑ بہانی شاہی دو
روکیں ٹوکیں بابل بھائی اور سمجھائے ہم کو مائی
چھوڑ کے کھیڑے ہوں گی راہی دو
سب سہیلیاں مل کر آئیں گلے میں پلو ڈال سنائیں
چھوڑ دے راہ اس میں ہے تباہی دو
ان سنگ ماہی کیوں جانے دوں رانجھے کو پھر چٹھیاں بھیجوں
قلم پکڑ کر لے کے سیاہی دو
سچو کے دل میں ہے اداسی بے بس ہو کر پھرے سنیاسی
وہ تو ازل سے تھا ایسا ہی دو

میں تاں پھردی وتدی آں تیڈے نال
توں تاں تخت ہزارے دا سائیں میں تاں ہیر سیال
پائے رکاب تساڈی ہو ساں، جیہے تیہے حال
توں تاں بے پرواہ جلیندائیں ساڈی ہوشاں دے وچ جال
اپنے درد دا دلبر سائیں سچو سچ سنبھال

دولہن سائیں نہیں دلیاں کنوں دور، وو رانجھن سائیں
لوں لوں دے وچ ماہی وسدا نیناں دے وی حضور
ہر دم حاضر ناظر ہیں ای یک موفرق نہ مور
ڈس ایہو ای ہادی والا نورٌ علیٰ نور
بات برہ دی آکھن مشکل، سچو رہنا صبور

میں ماہی دی مستانی وسدا دل وچ دلبر جانی
برہ دے غمزے سویں ہزاریں گھیتوای مار اخوانی

میں تیرے سنگ گھوم رہی ہوں گھومتی ہوں ہر حال
تخت ہزارے کا تو سائیں میں ہوں ہیر سیال
تیرے سنگ رہوں گی میں تو بُرے بھلے ہر حال
بے پرواہ تو، میرے چاروں اور ہے دُکھ دھمال
تیرے در کا کتا بچّل سائیں اسے سنبھال

دولہا سائیں، رانجھن سائیں، دل سے نہیں تو دُور
روم روم میں رہتا ہے اور نینوں کے بھی حضور
ہر دم حاضر ناظر دیکھوں یک مُو تو نہیں دور
یہی تو دم ہے مرشد والا، نورٌ علےٰ نور
بات برہا کی کہنا مشکل بچّو رہ صبور

دل میں بسے ہے دلبر جانی میں ماہی مستانی
بے حد دکھ برہا کے مجھ کو مار گئے اخوانی

عاشق ہووِیں تاں سر ڈیویں گا لھ ہیئ مردانی
دائم دل دیخ پاویں جھاتی، رمزیئں روحانی
جان سچو بن عشق رانجھن دے ڈوجھی سبھ نادانی

روح رانجھو دے رمزاں لٹیا کھیڑے کنوں بے زاریاں
ماہی دے مہنے جھولی جھلمئ چیا تم سبھ خواریاں
میں تاں رہ گئی کول ادھیں دے محبت دی مت ماریاں
ہووِاں کنیزک بانہواں بدھ کر، پا پلو کراں زاریاں
آن وچوں طعنے ڈیون بڈھیاں توڑے کنواریاں
لوکاں لیکھے چاک مجھیں دا میں تاں صدقے واریاں
لیسی گل ادھو جیں دے کارن وچ غماں دے گذاریاں
ساڑ گھتاں پچھے چرخے کوں میں تاڑیاں مُنیاں اُڈاریاں
سچو چھوڑ گیاں سبھ سیالیں رانجھو پچھے میں قطاریاں

عاشق ہو تو سر دے دینا بات ہے یہ مردانی
دائم دیکھو شیشۂ دل ہے رمز اس میں روحانی
سچ کو عشق ہے رانجھن کا اور باقی سب نادانی

روح میری رانجھے پہ فدا ہے کھیڑوں سے بیزاری
میں جھولی میں ڈال رہی ہوں سب طعنے سب خواری
رہ گئی اس کے ساتھ ہی میں تو پیار نے وہ مت ماری
باندی بن کر گلے میں پلو، کرتی پھروں میں زاری
چرخہ کاتوں طعنے دیں کیا، پیر ہے اور کنواری
دنیا جانے چاکر اس کو، میں اس پہ ہوں واری
آ سینے سے لگائے گا وہ، جس کے غم میں گذاری
راکھ کروں چرخے کو جلا کر مُنیاں اور اڈاری
چھوڑ گئی ہیں سبھی سیالیں میں رانجھو راہ قطاری

چھوڑ کے جھنگ سیال دے رانجھو ویندا رمز رلائی
پار دریاؤں جھوک رانجھن دی، رانجھو مجھیں دا مہینوال دے۔ ویندا لوک چھپائی
سانوں جوگی جادو لایا، ویکھ مرلی دی تال دے۔ ویندا مونہہ چلائی
اکھیاں سوہنے دیاں بلن مشالاں، پگن پٹوین ڈال دے۔ چوپے لاندر عشق سمائی
پچھو ہیچ کھیڑیاں دی آئی، کیڑیاں کنوں بھی خیال دے، مولا محب ملائی

جھنگ سدا خوشی ہو سوں سوہنیاں دے نال
ناں سائیں دے، سوہنا سائیں ورق وچھوڑے دا وال
حیرت دے وچ پے گیوسے ویکھ چاکاں دی چال
اوڑے باڑے چوری آکھن پے گئی اے کیہڑے خیال
عمر بھائی یار پچھو دی برہا کیتس برحال

تخت ہزارہ چھوڑ چھوڑ آیا ماہی میڈے سانگے
لوکاں لیکھے چاک مجھیں دا، میڈے لیکھے حق توڑ آیا

رانجھن رمزیں نئی سجھائے چھوڑ کے جھنگ سیال، رمزیں نئی سجھائے
پابندی کے جھوک ہے اس کی نباہے وہ مہینوال، لوگوں سے چھپ جائے
ہم پر جادو کر گئی اس کی مُرلی کی ہر تال، ایسی تان اڑائے
زلف اڑتی ہے آنکھیں جیسے روشن کوئی مشال، چوٹ پیار کی کھائے
کھیڑوں کی بارات ہے آئی، سچو کر دو خیال، مولا یار ملائے

سدا رہوں خوش جھنگ، اگر جاناں ہے شریک حال
نام خدا وہ ورق جدائی کا کر دو پامال
ہم حیرت میں ڈوب گئے چاکوں کی دیکھ کے چال
ایرے غیر نے کہیں دیوانی، کس کا اسے خیال
ساری عمر تو یار سچل برباد نے کیا بے حال

دلبر میری خاطر اپنا تخت ہزارہ چھوڑ آیا
لوگ کہیں اسے چاکر میرا حق سے رشتہ جوڑ آیا

تخت ہزارے دا جوگی آیا، بیاں کنوں مونہہ موڑ آیا
اساں تے انجھاہک تھیوے ذات کھیڑیاں دی بوڑ آیا

رانجھن ویہڑے آیا ہے ہُل پیا وچ کُل سیالیں
کُل وچ کفنی، ہتھ پھوڑا تہیں کیا بھیکھ بنایا ہے
جیڈے تیڈے رانجھن سائیں کھیڑا کہیں کھڑایا ہے
ایڈوں اوڈوں سیّاں آکھن چوچک چاک بنایا ہے
صورت دسے وچ سیجے سائیں آ کے آپ سمایا ہے

بھلا جانی کیہیاں کیہیاں تیں سانوں تاہنگاں لائیاں
ہک بئے پچھوں حسن دیاں فوجاں ویکھو چڑھ چڑھ آئیاں
آون ڈیاں وت دیس اساڈے نخیّاں سہنے دیاں وایاں
وڈڑے ویلے ویلیاں اُتھائیں جتھے سوہنے دیاں جایاں
ہر ہر عشاقاں نوں تساں سچّی برہ پڑھائیاں

جوگی تخت ہزارے کا سب اپنوں سے منہ موڑ آیا
میں اور رانجھو ایک ہوئے کھیڑوں کی آن کو توڑ آیا

شور مچا ہے جھنگ میں، رانجھن میرے گھر میں آیا ہے
گلے میں کفنی، ہاتھ عصا یہ کیسا بھیس بنایا ہے
چاروں اور میں رانجھن دیکھوں کھیڑا نظر نہ آیا ہے
سکھیاں بولیں، چوچک نے رانجھن کو ہاں بنایا ہے
سچو رانجھے کی صورت میں صاحب آپ سمایا ہے

جانی پیارے تو نے کیا کیا دل میں آس جگائی
مون کے پیچھے موج ہو جیسے، حسن کی فوج ہے آئی
اپنے دیس میں اس کے آنے کی پھر خبر ہے آئی
جی کو میں دہلا جاؤں گی جہاں اس نے جوت جگائی
تو نے سب عشاق کو سچل، ہجر کتاب پڑھائی

ہُن کیوں کیتی بیٹی بے پرواہی
عشق تاں تیڈے صبر دسا ریا خونی خنجر مہر کے ماریا
شاہد سارا جگ الا ہی
آپ کنوں چا دور کیتوئی دل اساڈی چا چور کیتوئی
من تیڈے وچ اصل دی آہی
دامن تیڈڑے آمیں پیئی آں جوش عقل کوں ہن میں گئی آں
بخش گناہ اساکوں ماہی
درتیڈے تے لکھیں سوالی گل وچ پہریم پہرن والی
سچو جیہے تیڈے لکھیں سپاہی

یار دے پاروں آئے، آئے ڈاہڈے ڈور اپے
اِنھاں عتاباں سنورنی سیاں عشق دے وچ مچائے

کیوں کی ہے بے پرواہی
تیرے عشق نے صبر گنوایا خونی خنجر دل میں مارا
شاہد سب جگ ہے الٰہی
ہم سے خود کو دور کیا، دل یہ چکنا چور کیا
ترے اصل کی دل تھے گواہی
تیرے دامن آن لگی عقل سے کوسوں دور ہوئی
اب بخش دے میرے ماہی
تیرے در پہ لاکھ سوالی پہنے ہوئے ہیں پہرن دالی
ترے سجو سے لاکھ سپاہی

یار کی خاطر کیسے کیسے طوفاں ہم پہ آئے
ان طوفانوں نے ہی عشق کے شعلے آ بھڑکائے

خاطی دے ہتھوں آن مُتیونیں جیں سبھ حال سنائے
نال سنن دے مونجھ دی پیو سے برہے بور بچھائے
اوہیں دیہاڑے سچّل منانے انگ بھبھوت رمائے

لائی کیوں دل لائی تساں پردیسی نال
نال تیڈے میں اصلوں لائی ہتھیویں نہ توں دُکھی بھائی
یار مسافر چوٹک لائی مت تیکوں کیہی آئی
آون جاون دی سُدھ ناہیں دلبر دل گیا چائی
الٹ پلٹ دی گالھ ہے سچّل سمجھ ایہا توں وائی

اساں یتیماں نوں کیویں وسارسو ای
تیڈے ڈیکھن کیتے بہوں سکدی آں
کنھوں کوکاں، کنھوں آکھاں سیف ہجر نال مارسو ای
دکھ ڈورا پے تیکوں ڈیساں جو دم نال گذارسو ای
یار سچّل تیکوں مُکھ وکھلایا جیہیں کوں روز پکارسو ای

قاصد نے سب سخن تمہارے ہم کو آن سنائے
حال سنا تو کتنے گہرے زخم اس دل پر آئے
اس دن سے سچل پھرتا ہے انگ بھبھوت رمائے

آنکھ لگائی پردیسی سنگ کیونکر آنکھ لگائی
دُکھی نہ ہونا میں نے تو بس عشق کیا ہے بھائی
بار مسافر کر گیا وار اور سمجھ نہ تجھ کو آئی
سدھ بُدھ بھولی جاتے یار کی جھلک نظر نہ آئی
الٹ پلٹ کی بات سچل ہے، سمجھ لے تو نے پائی

ایک تمنا دید کی تھی پوری بھی نہ کی اور یار گئے
کس سے کروں فریاد وہ مجھ کو ہجر کی سیف سے مار گئے
مجھ سے پائے دکھ ان لمحوں جو تم یہاں گذار گئے
سچل کب دکھلائے گا منہ جس کو ہم تو پکار گئے

تیڈیاں اکھیاں لعلوں لال شوقی یار شرابی جوندیاں
بانہاں بدھ کر دور کھڑ وون کیفی ڈیکھ کلال،
ڈیکھ پتنگ پرواز کریندے تیڈا مکھ مثال
دلیاں والے سودے دے وچ ڈونہیں نین دلال
سچل صفت تمام نہ تھیسوے بھیڑی آں بئے تاں خیال

تخت ہزارے دا شاہ میاں رانجھا دامن تیڈے لگی ہاں
جوگی تھی کر پھیرے سیلانی رہندا بے پرواہ میاں رانجھا
تیڈے باہجوں نال کھیڑیاں دے نہیں سوٹھیہندا ٹھاہ میاں رانجھا
نال کرم دے دید مہر دی ہیں توں مول نہ لاہ میاں رانجھا
نام اللہ دے آپ سنجانیں سنگ سچو دا نباہ میاں رانجھا

تیں تے میڈڑی جان رانجھا دو تیں تے میڈڑی جان
عشاقاں توں دل کیوں چاتیوئی، عالم وچ گمان

یار شراب سے آنکھیں تیری لعلوں سے بھی لال
کیف ایسا کہ باندھ کے ہاتھ کھڑے ہیں دور کلال
تیری مکھ مشعل کو دیکھ کے پروانے بے حال
دل کے سودے ہیں تو دونوں نین بنے دلال
سچل صفت کریں کیا اس کی، دے نہ ساتھ خیال

تیرا دامن پکڑا ہے اے تخت ہزارے کے شاہ میاں انجھا
جوگی ہے، بیلائی ہے نہیں اسے کوئی پرواہ میاں انجھا
تجھ بن کھیڑوں کے سنگ میرا ممکن نہیں نباہ میاں انجھا
مجھ پہ کرم کر، مجھ کو عنایت مہر کی ایک نگاہ میاں انجھا
نام خدا پہچان مجھے ہاں سچل سے بھی نباہ میاں انجھا

تو میری ہے جان رانجھا تو میری ہے جان
منہ عاشق سے کیوں پھیرا دنیا کو ہے تک گمان

جاندا ہیں توں ہیں تاں تیڈے قدماں توں قربان
راتی ڈیہناں دلڑی اساڈی درد کیتی دیوان
عشق تیڈے کنوں یار سچو دی ہوئی جند حیران

سانوں متیاں بہن دیاں نہ ڈیلو ویں تاں جھوک ہا دی دی جاندی آں
طعنے تہمت یار دے کرکے ہار گئی وچ پاندی آں
سنڈیساں رانجھنا ں ہیں ہساں کھیڑیاں وچوں نہیں جاندی آں
راتیں ڈیہناں یار دیاں گاھیں گلی گئی وچ گاندی آں
سچو رانجھن دل نوں بھاندا ہور کہیں کوں نہ بھاندی آں

تو جانے مجھے میں ہوں تیرے قدموں پر قربان
دل کیا ہے ترے ہجر کا قصہ درد کا اِک دیوان
یار سجّل تیرے عشق میں میرا جیون ہے حیران

صبر کی مت تلقین کرو میں تو جھوک رانجھو کی جاؤں
طعنوں کے میں ہار پروؤں، اپنے گلے سجاؤں
سکھیو رانجھن سنگ رہوں میں کھیڑے چھوڑ کے جاؤں
آٹھ پہر میں اس کی یاد میں گلی گلی میں گاؤں
سجّل مجھ کو رانجھا بھائے نہ ہی غیر کو من میں بساؤں

سی حرفی

الف آگ لگی سانوں عشق والی، قاضی اور گلاں وڈ سیندا ہیں
ساڈی دل تاں تخت ہزارے ڈھوں مسئلے جوڑ کے آپ سُنیندا ہیں
دنج بڈمز ملاں منجھ پویں، کنوں راہ سچی وڈ گھسیندا ہیں
منگیں خیر کھیڑیاں دی وڈ کیہڑی گالھوں رانجھو یار اساں توں سُنیندا ہیں

ب بحر بہ دے وزیر رکھیا میڈی ذات سیال سائی لڑھ گئی
کتھے جھنگ تے تنگ ناموس رہیا پچھے چاک دے ہیں اجڑ گئی
دل درد منداں دی چوہدھار والی حکماں حکم سانمزے نال لئی
مہنے ماہی دے سے قبول کیتم، جے کائی تھیونی ہائی سچو سائی تھئی

ت ترک دیہاڑے میثاق دے ہیں تاں رہیاں ذات سیال کنوں
توبہ توبہ تے استغفار کیتم، خوشی نال کھیڑیاں دے خیال کنوں
ہک دم نہ فارغ ہیں ہو سال جانی یار رانجھو دے وصال کنوں
ڈوجھی کار نہیں میڈی دل اُتے، سچو یار دی سار سنبھال کنوں

ہمیں آتشِ عشق جلاتی ہے قاضی کیا سخن سنا ہے
دلِ سخت ہزارے میں اٹکا، یہ مسئلے اپنے بناتا ہے
مُلّا یہ عذاب ہی نازل ہو، مجھے سچی رہ سے ہٹاتا ہے
کھیڑوں کی چاہے خیر، ہم سے رانجھے کا ساتھ چھڑاتا ہے

یہ سیلِ بلا تھا ہجراں کا ناموسِ سیالاں اس میں گیا
میں چاک کی خاطر اُجڑ گئی نہ جھنگ نہ تنگ ناموس رہا
پُرسوز تھا دل یہ پہلے ہی پھر عشق کا حکم بھی آ پہنچا
سچو جو ہونا تھی ہو کے رہی میں نے ہر ہر طعن قبول کیا

وہ روزِ الست تھا جب میں نے کی ترک یہ ذات سیال اپنی
کھیڑوں سے میں دامن کش گذری ان سے نبھنا تھی محال اپنی
اِک پل کے لئے بھی چھوٹے نہ رانجھو سے راہِ وصال اپنی
سچو بن رانجھن کار نہیں دہی سُر اپنا وہی تال اپنی

ث ثابت ساڈڑی دل ہوئی راتاں ڈینہہ سیاں رانجھے یار ڈھوں
اوہیں دم لاکوں اج توڑی ویکھو میڈا خیال تاں تخت ہزارڈھوں
"استُ بلّا" ڈوہیں بک ہوئے ڈتم گوش اوہیں اقرار ڈہوں
بھناشک گمان سچو داسارا دل آپسی ایہیں اعتبار ڈھوں

ج جند چھٹ گئی میڈی جھنگ کنوں ہتھ ڈوگیاں دو سیالیاں جی
لاہاں نال پنگھوڑا دو ساڈ دیواں گھناں اگ دے وچ نہالیاں جی
سبھے جان رہو دو خیال ایہو ہین چاک دے عشق دیاں چالیاں جی
سچو رکھ سنبھال توں جو ہے نی بہ والیاں گوڑھیاں گالھیاں جی

ح حال تے ہُل ہے سیالیاں وچ سچو چک کنے کیہا اج چاک کھڑے
غلبہ عشق اوہیں تے کیڈا کیتا نہیں دے جا بجا پھر دے پڑھے
سینگی ہیر سیال اساڈی آہی تہیں دے نال ایہیں دے وہن اڑے
ڈوہیں سر ناکاہ جو آڈیکھو، محبت والے سچو کبڈے لڑھے چڑھے

سکھیو مرا دل تو نہال ہوا دن رات ہے من میں رانجھن یار
اس وقت سے لے کر آج تلک دل میں ہے سمایا تخت ہزار
پابند ہوں میں نے جو بھی کیا تھا روزِ الست و بلیٰ اقرار
ٹوٹا ہے شک گمان سبھی سچو کا، ہے پکا قول قرار

ہاں جھنگ اور جھنگ سیالوں سے مری جان بچی میں بھر پائی
سامان جلا کر خاک کروں، لگے آگ یہ من میں سے آئی
اسرار و رموز یہ عشق کے ہیں کچھ تجھ کو بھی ان کی سمجھ آئی
یہ ہجر و فراق کی رمزیں ہیں سچو ہیں متاع تنہائی

چوچک نے چاک رکھا کیوں کر یہ لوچھ لہے ہیں سیال کھڑے
یہ عشق کا کیسا غلبہ ہے دیکھا ہے جسے ہر رہ میں کھڑے
ہاں ہیر سہیلی اپنی تھی پر من اس کے کہاں جا کے اڑے
سچو دیکھ محبت والوں کے سر کتنی اوج پہ آج چڑھے

خ خویش قبیلہ دُھل گئے رانجھو نال میڈا ڈاہڈا خیال پیا
رنگپور کھیڑیاں دے وچ شال کوئی سُناں ہیں ناں گھیڑا کال پیا
تھیون غار سبھے وغرق اُتھاں کیہا بھیڑیاں داو وبال پیا
اساں یار ماہی ڈوہیں ہک ہوئے ہر ویلے سچو وصال پیا

د دل ہک آہی ساڈی یار ڈھوں ڈوجھی ہوتے تاں اوہا ہیں عام ڈیواں
برہے ذات میڈی سادسار ڈتی بھٹھ ہک واری ننگ نام ڈیواں
ساڈے طرف اڈائیں ونیدا کوئی نہیں جیکوں پرت والے پیغام ڈیواں
بانہاں بدھ بہوں ہیں زاری کراں سچو دوست ڈھوں میں سلام ڈیواں

ذ ذات سیال ہیں مُنڈھوں نہ ہی کون چوچک؟ تہیں دا راج کیہا
جوئی نال ہک یار دے ہک ہوئی تہیں دا آکھ قاضی، بیا کاج کیہا
جہیں کوں عشق رانجھو دے کڈھ نیتا تہیں کوں اوراں دا احتیاج کیہا
دل ہک آہی، ماہی یار نیتی وت کھیڑیاں بھیڑیاں دا وڈاج کیہا

گیا بھول قبیلہ خویش ہمیں رانجھو کا ہر دم خیال رہے
سُنوں خبر کہ رنگیو رکھیڑے میں سدا قحط رہے اور کال رہے
ہو جائیں سارے غرق وہاں یا سب کے سر یہ وبال رہے
سچو یار اور میں تو ایک ہوئے دونوں کا سدا وصال رہے

دل ایک تھا نذر یار کیا، ہو اور تو اس کو عام کروں
اس عشق میں ذات گنوا بیٹھی کیا فکر ننگ و نام کروں
آئے نہ کوئی جائے نہ کوئی کیا پریت کا یہ پیغام کروں
سچو عرض میں باندھ کے ہاتھ کروں، میں یار کو عرض سلام کروں

نہ ذات سیال رہی میری نہ میں جانوں چوچک راج ہے کیا
میں ساجن کے سنگ ایک ہوئی یہاں قاضی کا بھلا کاج ہے کیا
جسے اس کا عشق ہی لے کے اڑا وہ اوروں کی محتاج ہے کیا
دل ایک تھا دے دیا ماہی کو کھیڑوں کو مجھ سے کاج ہے کیا

ر ردرانجھوے ہیں ہور ہیاں کوئی اور نظر نہیں آؤندا جی
ندی دے کنارے وڈرے ویلے وانجھلی سوز کنوں ود وجاؤندا جی
اللہ آپ جانے ماہی یار مینوں ہناں کل کنوں اوہو بھاؤندا جی
اوہیں رانجھوا توں سچو صدقے تھیواں انگن اساڈے جڈاں پیر پاؤندا جی

ز زدرگھتیا بڑہ باری ڈاہڈا میں مست دیوانڑی ہوئی ہی
ہُن رنگ بھبھوت جوگا کھڑا دل ہائے دیوانڑی ہوئی ہی
رانجھو کتھا ساں وت کتھ رہے نینہڑے دی دونشانڑی ہوئی ہی
اوہیں کیتے اداس بیراگ پھراں سچو مونجھ متانڑی ہوئی ہی

س سبھ سیالیں چھوڑ گیاں ڈیکھ ڈیکھ اساڈڑا حال وی
شرم بوڑ دیوانڑی ہوئی ہی گھدی رانجھوے عشق کمال وی
راتیں ڈیہاں اوہیں وت چاک ڈہوں کھڑے دم بدم خیال وی
مت ساڈڑی مول نہ گھنسی اوہا ولن پچھوں سچو ہے مجال وی

میں روبرو ہو گئی رانجھے کے مجھے اور نظر کیا آتا ہے
وہ ندی کنارے وقت سحر کس سوز سے بنسی بجاتا ہے
خود رب جانے کُل جگ اندر مجھے ایک وہی تو بھاتا ہے
میں سچو صدقے رانجھو پر جب میرے انگنا آتا ہے

اس ہجر نے زور وہ باندھا ہے میں مست دیوانی ہو کے رہی
وہ رنگ بھبھوت لگا آیا مجھ کو حیرانی ہو کے رہی
وہ اور کہیں میں اور کہیں بس پیار نشانی ہو کے رہی
سچو اس کے لئے بیراگن ہوں، غم میں متانی ہو کے رہی

مجھے ساری سیالیں چھوڑ گئیں یہ دیکھ کے میرا حال ہے کیا
گئی شرم حیا، دیوانی بھئی رانجھو کا عشق کمال ہے کیا
شب و روز اسی میں غلطاں ہیں اس چاک کا حسن خیال ہے کیا
سچو اس کا مُڑنا محال ہوا سمجھائیں اسے یہ مجال ہے کیا

ش شور بھی عشق مچایا ڈاہڈا ہن عقل والی و وصلاح کیہی
راہ عشق دی سچی تاں ہیں گھدی تساں سبھ آکھو ڈوجھی راہ کیہی
رانجھو یار میڈے سر دا سائیں کھیڑیاں بھیڑیاں ڈہوں نگاہ کیہی
پئیاں باہر ننگ ناموس کنوں ہن آکھ بیجو دو پناہ کیہی

ص صدق ساڈا رانجھو یار ڈہوں نہیں کھیڑے بھیڑے کوں ہیں لیکھدیاں جی
نظر غیر دی اساں توں ٹٹ گئی جتھ کتھ ماہی نوں سو ڈیکھدیاں جی
سو رنگ دے وچ رنگ لاکھڑا دم دم کرے لکھ بیکھدیاں جی
ہے مٹھیاں گوڑھیاں گالھیاں نی ہیچ سنیں اساڈے شیخ دیاں جی

ض ضرور کھیڑیاں دا ویکوں نہیں رانجھو یار مینوں گل لا رہیا
سُنو سب سیالیاں لوں لوں سبھا جند جان دے وچ بیچ پا رہیا
کائی غیر دی جا نہ رہندی اُتھاں سدا پا او ہو دو سما رہیا
بیجو آپ سارا دو محیط تھیا جتھ کتھ دو جا بجا رہیا

ہاں عشق کا شور ہے زوروں پر اب عقل کی کوئی صلاح نہیں
میں عشق کی راہ پہ چل نکلی کہو باقی کوئی راہ نہیں
رانجھو میرے سر کا سائیں ہے کھیڑوں کی اور نگاہ نہیں
سچ سچ بیٹھیں ناموس کو جو اب ان کے لئے تو پناہ نہیں

مرا صدق و صفا تو رانجھا ہے کھیڑوں کی نہیں پرواہ کوئی
کوئی غیر رہا نہ آنکھوں میں اس بن نہ رہا اب شاہ کوئی
رنگ اس کا جدا سو رنگوں میں پل پل اس کا واہ واہ کوئی
سچ اس کی باتیں رمز بھری ہو جیسے سخن کا شاہ کوئی

کھیڑوں سے نہیں کوئی کام مجھے رانجھو نے گلے لگایا ہے
ایک ایک سیال سن لے اب مرے روم روم میں سمایا ہے
کسی غیر کی جا نہ رہی کوئی مری روح پہ بھی وہ چھایا ہے
سچ مجھ پہ محیط ہوا رانجھو مرے سر پر اس کا سایا ہے

ط طلب میڈی رانجھو یار ڈھوں کھڑا ہو سی ندی دے کنارڑے جی
عشق لاؤن کیتے ساڈے طرف سیاں آیا کنوں سو تخت ہزارڑے جی
چوبارا چھوڑیں، جھنگ آ کھڑا، اساں طالب مفت نظارڑے جی
خواہش آپ نہیں ڈیکھن سیالیاں دی ساڈا تل نہیں اختیارڑے جی

ظ ظاہر ساڈا عشق تھیا میڈے پچھوں سیالیاں دھکی لائی
ڈیکھن آیا اسانوں جھنگ سارا کھیں سبھ دیوانی ہوئی جائی
مائی باپ نگھوڑے دے وچ تیکوں دعا پیراں فقیراں توں منگی کائی؟
ایہو حال ہویا وو سیال تیڈا سچو برہ تساکوں الفی پائی

ع عشق دریا کیتی موج کھڑی کندھی ڈسدی اُتے تے کانہیں
اندر شوق مچایا دو شور ڈاہڈا ایہیں زور جھلن دی جا نہیں
ایہا دل آباد نہ تھیسی کڈاں جہیں دل دے وچ ہا ہا نہیں
میڈا خیال خلاصو دیار ڈھوں ہک سینگیاں سچو ساڈے سانہیں

رانجھو کو سچی طلب مری آئے گا ندی کنارے وہ
اس عشق کی ریت نبھانے کو چھوڑ آیا تخت ہزارے وہ
ہم سائل مفت نظارے کے آ جھنگ میں روپ سنوارے وہ
مراد خل نہ تھا، آیا تھا سیالوں کے کرنے نظارے وہ

جب ظاہر مرا عشق ہوا سیالوں نے مجھے بدنام کیا
مجھے دیکھنے آیا جھنگ سارا دیوانوں سا جو کام کیا
ماں باپ نے رب سے میرے لئے یہ کیسا طلب انعام کیا
تقدیر میں الفی لکھی تھی پیچو ہیر کا کیا انجام کیا

جو عشق کے دریا سے اٹھی اس موج کی خاص تو شان نہیں
جو غلغلہ اس نے ڈالا ہے اس کی سی کسی کی آن نہیں
جہاں حرکت، ہمت، درد نہیں وہ دل آباد مکان نہیں
مرے خواب و خیال میں اک وہ ہے سکھیوں کا نام نشان نہیں

غ غم لتھا رانجھو یار ملیا پنج کھیڑے بھیڑے بیزار تھئے
اساں دوست ڈوہیں ہن ہک ہوئے کھیڑے سبھ خراب خوار تھئے
ڈیکھن نال ماہی دے دل ہیڈی ڈوجھے نین تاں باغ بہار تھئے
حاصل سبھ مدعا دو اساڈی ہوئی سچ نیال میڑا مختار تھئے

ف فاش تھیا راز عشق والا تنبو قناتاں ونج صحرا لگیا ں
چن ونج اوہے کیتے ڈینہہ ہویاں ہن ڈیکھو تاں جا بجا لگیاں
زمیں سرزبوں نہ تھیسی کڈاں باریاں بار وڈے برپا لگیاں
ہُن نینہہ دا مار نغارا اتھاں سچ ویکھ تاں ونج ہوا لگیاں

ق قرب سانوں رانجھو یار ڈتا ونج جھنگ سیالاں نہ تے مئیاں بھی بہوں
راتی ڈیہناں اساڈڑی ہو رہی دم دم ہکا دل چاک ڈہوں
عاماں نال پردے پاک جانیں کڈاں مول نہ ٹھہرا ٹور رہوں
قدماں نال سچ سچے یار دے فی اینویں عمر سبھا جوڑا جوڑ رہوں

غم ٹل گیا رانجھو یار ملا کھیڑے ہم سے بیزار ہوئے
ہم دو تھے مِل کر ایک ہوئے کھیڑے سب جگ میں خوار ہوئے
دل خوش ہوا یار کے درشن سے مرے نین یہ باغ بہار ہوئے
مجھے حاصل اور حصول ہوا سچو کیسے کرم مختار ہوئے

جب کھل گیا عشق کا بھید وہاں صحرا میں فصلِ بہار آئی
پھر عشق کا چرچا عام ہوا ہر چشم ہی مستِ خمار آئی
تھا ہجر کا بارِ گراں لیکن دھرتی یہ بوجھ سہار آئی
سچو اک نعرۂ حق تیرا پھر خلقت دیکھ ہزار آئی

کتنی تھیں سیالیں جھنگ والی پر یار نے ہمیں ہی چاہا ہے
پل پل اس چاک کے نام کیا جیون بھر پیار نبھا ہا ہے
جو عالم تھے وہ شاد ہوئے مرے رب نے یوں ہی چلا ہا ہے
سچو رونق یار کے دم سے ہے جیون یہیں کرنا چاہا ہے

ک کار سبھاوو دسار ڈتی عشق چاک دے میں مستان کیتی
اور گالھ اساں کنوں چک پئی دل درد ڈاہڈے دیوان کیتی
خاطر ڈیکھ ساڈی وو ہزار والی ہو ہو اینویں حیران کیتی
قربان اساں سوہنے یار اتوں سچو سا سبھو جند جان کیتی

ل لوک سارے بدنام کیتم ویکھاں یار ڈھوں خوش حال دلی
دل لُٹ نیتی ساڈی چاک سیاں ڈوجھے طرف نہیں میڈ خیال ولی
میں گھول گھتاں سر اپنا بھی اُتوں دوست سیار اجھنگ سیال دلی
سچو روز ازل کنوں منگ گھدا ایہو ہا دی والا حال دلی

م مست کیتی دل چاک میڈی ہُن گئی آں شرم حیا کنوں
رانجھو یک ہووے شالا ہاں اُتے مینوں توبہ سیالاں دے سا کنوں
آپے بھج گیئاں ہکو جیڈیاں نی ڈاہڈے عشق دے تکھے تا کنوں
ڈیکھ حال ساڈا سبھ حیران ہیاں سچو پاسا کرن نیہہ دے ناں کنوں

سب دھندے مجھ کو بھول گئے اس عشق میں میں مستانی ہوں
سب باتیں چھوٹ گئیں مجھ سے دل کے ہاتھوں دیوانی ہوں
اس تخت ہزارے والے کے طعنوں سے میں حیرانی ہوں
سچو اس یار کے سر صدقے میں سر تا پا قربانی ہوں

لوگوں نے کیا بدنام بہت پر میں اسے دیکھ نہال ہوئی
اس چاک نے لوٹ لیا ہے دل ہیں اس کے خواب و خیال ہوئی
اس پر مری جان و دل صدقے، قربان یہ جھنگ سیال ہوئی
سچو روز ازل سے مانگا تھا میں ہادی والے حال ہوئی

دل چاک نے ایسا مست کیا اب شرم و حیا سے کام نہیں
اک رانجھو میرے ساتھ رہے مجھے اپنے قبیلہ سے کام نہیں
ہم عمر تھیں جو سب بھاگ گئیں انہیں عشق ادا سے کام نہیں
حیران تھیں میری حالت پر انہیں نام و فا سے کام نہیں

ن ناں گھنن تاں یار دے نی ہووں جان جسم وچ میں تا دوڑی
ہکے رانجھو باہجوں بیئے لوک کنوں اساں دوستی والی سبھ گالھ توڑی
بابل، مائی، بھائی بیزار تھیوں اینویں آکھ گئے "اساں ایہا جھوڑی"
سچو حمد شکر ہزار کیتم، چاک نال اساں دنج محبت جوڑی

و والگی کائی وحدت والی تہیں سبھ گالھیں وسار ڈتیاں
جیہڑیاں حرص ہوا ہوس والیاں باتاں سیف "الا" دی مار ڈتیاں
جو گالھیں حق الحق آکھیاں اُتے دل دے جما اعتبار ڈتیاں
باطل والیاں اشارتاں مرشد سائیں سچو ویکھ تیکوں اظہار ڈتیاں

ہ ہوش ساڈا رانجھو یار ڈھوں بیئے لوک کنوں بے ہوش نتھیاں
طعنے ڈیون لکھ ہزار میکوں طرفوں چاک دے ڈیکھو سبھ سیاں
بھل پل کیتی وو سیالیاں دی میڈے دراُتے کیڈیاں دھمال پیئاں
پردہ توڑ پئیں ہیں باہر اینویں سچو یار میں تاں ہُن وسوں گیئاں

اس نام میں کیسا جادو ہے وہ نام جپوں تو جی جاؤں
ہے ترکِ تعلق اب سب سے اک رشتہ رانجھے کا پاؤں
کیا بابل، میا، بھائی ہیں میں چاک کے جوڑے جُڑ جاؤں
صد شکر سچّا اس ذات کا ہے جس در سے فیض اس کا پاؤں

ہر بات بھلا ڈالی اس نے کیسی یہ ہوائے وحدت ہے
یہ الا اللہ کی سیف جسے سب حرص و ہوا سے نفرت ہے
جو باتیں حق الحق کی ہیں ان سے مرے دل کو ہمت ہے
سچّا رمز ہے مرشد سائیں کی، باطل کے فنا کی علّت ہے

ہیں ہوش رہا اک رانجھو کا کسی اور کا کوئی دھیان نہیں
سکھیوں کے لاکھوں بول سہے جُز چاک مرا ایمان نہیں
یلغار سیالوں کی مجھ پر تھی، منزل یہ آسان نہیں
دنیا سے پردہ چھوڑ دیا اب کوئی عذابِ جان نہیں

ی یار رانجھو جڈے کڈے ہو یا ہر جا وچے ہک جا نہیں
ڈو جھی راہ رنگیلی تہیں نوں جانیں ہا دی آپ آکھیا اور کا نہیں
آپ چھوڑتے خود خدا رہیں اور بات اساکوں بھا نہیں
سچو سمجھ نہ لائق سکھیں ایہا عشق والی سروپا نہیں

رانجھو یار نے کیا کیا راہ دیکھی اس راہ بناں کوئی راہ نہیں
مرشد نے کہا کہیں اور گئے تو تم سا کوئی گمراہ نہیں
تم آپ خدا بن کر بیٹھو یہ ڈھنگ تو خاطر خواہ نہیں
سچو ایسے عشق سے باز آنا یہ راہ تو کوئی راہ نہیں

الف آمیڈی دل چا نیستی جی جا نہیں ہا ہا میاں
اٹکا اکھیں، دکھ لاگوں، پھر آ کے کجھ لا میاں
کائی وا گھلی سیاں ساچھوڑیا طعنے ڈیون وا وا میاں

ب بس سیاں کنوں رس نہیں، روح وس نہ میڈے وس میاں
جیڑا جس نہیں پروس پیاں خاطر کس گنوں کیوں نس میاں
ہیں کس سیاں دے ڈس نہیں، لگی کس نہ کائی جس میاں

ت تات تیڈی، وائی وات میکوں، ہتھیوں ساتھ نہ ڈیکھیں ذات میاں
سُن بات سوہنا، ہیہات ہوئی، ڈیہاں رات آویں پر بھات میاں
تسلات ڈیویں، مصلات کائی، میکوں درد لائیواے بھاتوں بھات میاں

ث ثابت سار سنبھار تیڈی اندر عشق کیتنا انظار میاں
کئی لکھ ہزار دویا رتیڈے کیتے رو دن زار و زار میاں
تیڈی تار لگی دلدار مینوں، ہک واری بے اختیار میاں

الف آ کے لے گیا دل میرا نہیں شور کی اب تو جا میاں
لڑے نین اور غم سوغات ملی کوئی بات بھی آن سُنا میاں
سنگ چھوڑ گئیں، طعنے دیں سکھیاں کیسی چلی ہے عجب ہوا میاں

پر لُطف نہ سخن سہیلیوں کا، نہیں روح پیر الس میاں
من چین نہیں کیوں چھوڑ گئے غیروں میں ہوں بے بس میاں
کیا ترک جو سنگ تھا سکھیوں کا اس سنگ میں بھی نہیں حِس میاں

ترے عشق کا چرچا عام ہوا، دو ساتھ نہ پوچھو ذات میاں
اسی ذکر میں کٹ گیا دن سارا ہوئی رات سے پھر پربھات میاں
مرے سوہنے سجن مرا ہاتھ پکڑ، غم دے گیا ہے بھانت بھانت میاں

ترا حسن نظر مجھے جاں بخشے، ترے عشق نے کیا نزار میاں
ترے ہجر میں گریہ کناں دیکھے تیرے چاہنے والے ہزار میاں
مجھے بے بس کر کے مار گئی، یہ تیری لگن دلدار میاں

ج جال میڈے توں نال سوہنا برحال تھیویں توں بھال میاں
ورق والِ وچھوڑے دا، گالھ سُنیں، اپنا آپ کریں بھلا بھال میاں
پیا وچ جنجال دے حال میڈا، بئی کیہی کراں قیل قال میاں

ح حال خیال دی تنکیوں آگہ دل کیوں نہ لئیں وسنبھال میاں
سُن سوال ساڈا کریں بھال بھلا، تھئے سکدیاں مینوں سال میاں
رولال کیتم اکھاں خیال تیڈے، کیتا برہ تیڈے بے تال میاں

خ خواب گیا کنوں تات تیڈی، کیتا برہ سانوں بے تاب میاں
توں شتاب آویں، ڈیویں آب میکوں سائیں کھول نقاب حجاب میاں
تیڈے نینہہ نواب، کباب کیتم، کوئی نہیں عتاب خطاب میاں

د دم دانداں نہیں غم کنوں، ہڈ چم وایا تیڈے واہ سائیں
ہمدم تھی گھتیں نہ خم اتھاں، سارا کم میڈے در جوڑ جائیں
چاویں چم نہ بھی میں طالب تم، نہیں کوئی شرم، عاشق گل لائیں

اب شرط ہے ساتھ نبھانے کی اے صاحبِ جاہ و جلال میاں
کر پاک اوراقِ ہجراں سے یہ میری کتابِ حال میاں
میں قیل و قال سے گذر چکی، کچھ پڑا ہے وہ جنجال میاں

آگاہ ہے میرے حال سے تو لیتا نہیں مجھ کو سنبھال میاں
اب مان سوال اس عاجز کا کئی رو رو گذرے سال میاں
رو رو کر آنکھیں لال ہوئیں بے سُر ہوئی ہیں بے تال میاں

ترے دھیان میں نیند بھی خواب ہوئی ترے ہجر میں ہوں بے تاب میاں
دے آبِ وصال شتابی سے اور کھول یہ بندِ نقاب میاں
ترے ہجر میں میں تو کباب ہوئی، نہیں کوئی بھی حدِ عتاب میاں

کوئی سانس نہیں غم سے خالی، تن داغ ہوا نرمی فرقت میں
ہمدم ہے تو مجھ سے دور نہ رہ کر شاملِ وصل کی عشرت میں
بوسہ نہ سہی، سینے سے لگا، نہیں شرم کی بات محبت میں

ذ ذوق تیڈا ساڈاں شوق لگا، طعنہ لوک ڈیوے نت چوک میاں
نینہڑے نوک لگی، محبت موک لائی واہ واں پھوک لاون ساڈاں ٹوک میاں
تیڈا طوق گھیتم، گل بانہہ پاوے الا سوہنا سوز کیتا ساڈاں سوک میاں

ر راہ کھڑا ارواح تیڈے چیت چانی سنجھ صباح میاں
واہ واہ سنبھال توں آہ کنوں میڈے نال سولاں دی پیا میاں
پنڈ پا تھیا تیں ماہ کیتے میڈی دل وی ہوئی آگاہ میاں

ز زار رداں تیں یار کیتے تھیوے کارنہ کائی نروار میاں
ڈوں چار بئے دلدار تیکوں جی جار پیا دلدار میاں
گفتار ساں بک وار تیڈی تھیوے دل تاں باغ بہار میاں

س ساری آکھاں گل یاری والی تیں نال کریجے دوزاری میاں
یاری برہ وہائی کاری ساڈاں گل چا گھتیئوئی گاری میاں
واری یار تیں توں سو واری ونجاں دوستی وچ گھتیں متاں گھاری میاں

اس عشرتِ عشق نے یار مرے دنیا میں کیا بدنام میاں
یہ تیر ترازو دل میں ہوا، کیا عشق نے زیرِ دام میاں
یہ طوق گلو کی زینت ہے، تن سانس پہ ہے الزام میاں

ترا رستہ تک تک بیکل ہوں ہو سانجھ سماں کہ صباح میاں
ہاں مجھ سے دامن کش رہنا مرے سنگ ہے غم کی سپاہ میاں
شرما گیا ماہ تیرے آگے ہے دل اس سے آگاہ میاں

تری یاد میں کیا کیا روئی ہوں نہیں کار سے کوئی کار میاں
محبوب کئی ہوں گے بے شک نہیں تجھ سا کوئی دلدار میاں
گفتار سنوں اک بار تری تب دل ہو باغ و بہار میاں

ترے سامنے عرضِ حال کروں ترے سامنے نالہ و زاری میاں
یہ ہجر کے دار و رسن جو ہیں میری جان پہ کتنے بھاری میاں
آئے فرق نہ اپنی یاری میں سو بار میں تجھ پہ واری میاں

ش شام صبح آرام نہیں، پیغام پٹھیوئی نہ سلام میاں
اکھیں خواب تمام حرام کیتا، آون دا نہ کیتوئی انجام میاں
انعام غلام دیدار تھیوسے، کریں یار قبول کلام میاں

ص صورت آواز نیاز کنوں بانہاں بدھ کھڑیں بے نیازاگوں
اتھاں ناز کنوں توں باز آویں تیڈا راز پووے کارسازاگوں
تن ساز کریں آواز رگاں، کرنی صفت تے دل نوازاگوں

ض ضرر شر روح عاشق، تھیا شیر شکر بھی سبھتاں زہر میاں
شہر بحر دے وچ تنھاں واہو کا پھر یا ہل غل ہویا اندر باہر میاں
ایہناں عاشقاں کنوں نظر گذرایہا بئے وہم تھئے دربدر میاں

ط طور ڈاہڈی پرشور ایہا زوری نال گھتے سوئی زور میاں
گھم گھور تنہن وچ جفا جوریاں، ہنبڑے نال لاویں تھیندا ہور میاں
جنھاں کیف کلال کٹورہیتا اوہناں برہ بچھایا بور میاں

آرام نہیں ہے شام و سحر ترا پیام آیا نہ سلام میاں
کیا وعدۂ وصل ہوا تیرا، ہوئی مجھ پر نیند حرام میاں
انعام میں دے دیدار مجھے کر میرا قبول کلام میاں

میں باندھ کے ہاتھ کروں زاری اس بے پرواہ کے پاس میاں
بانا آجا بے پرواہی سے تیری پوری کرے رب آس میاں
گر مجھ کو نوازے ماہ رخا! پھر میں ہوں سراپا سپاس میاں

عاشق ہے خسارے میں ہر دم اسے شیر و شکر بھی زہر میاں
ہاں اس کے طفیل ترا چرچا ہوتا ہے اندر باہر میاں
تجھے ڈھونڈتی پھرتی ہیں نظریں نظروں پہ وہم کا قہر میاں

شوریدہ سری تری شور کرے نہیں عاشقوں کا کوئی زور میاں
یہ عاجز بے کس بندے ہیں تو سرتاپا ہے جور میاں
جو دُردِ تہہ ساغر پی لیں انہیں ہجر نے مارا اور میاں

ظ ظلم جہول ظہور کیتا، منظور ہویا پُر نُور میاں
ایہہ مُصحف وچ مذکور ہویا معروف ایہو مشہور میاں
چک چور امانت عشق کیتا سر سُولی سُٹیا منصور میاں

ع عشق اجہل کیا عقل لگے توڑے کرے عقل تحمل میاں
کوئی پل نہ سوئی تحمل کرے بھنے برہ داڈیکھ بدل میاں
تنہن دا ہئی عمل اصل ڈاہڈا اندوہ دے وچ مشعل میاں

غ غازی چڑھے سر سُولی راضی، بانکے کیہی کیتی سر بازی میاں
آزی کر دوڑاون تازی اتھاں، وت کیا کریسن قاضی میاں
کہیں دے حال نہ منین تے ماضی ایہے ہئی سُرخیاں سرفرازی میاں

ف فال پئی عشق دے حال والی سر آدم سائی برحال میاں
حمال تھئے وچ خیال ایہیں کیتس حال جنجال کمال میاں
کشال چائس احوال کنوں کائی سر سنیس امثال میاں

ہے ظلم و جہول تو تاریکی اور نور کی صفت ہے نور میاں
یہی مصحف میں مذکور بھی ہے معروف بھی اور مشہور میاں
یہ عشق امانت جس نے کیا وہی سُولی پر منصور میاں

کہاں عشق کہاں ہیں عقل و خرد منزل ہے اُلٹ دونوں کی میاں
کہاں عقل کو ہجر کی ہمت ہے عیار ہے بھیس بدلتی میاں
ہے ایک عمل ہی حقیقت جو ناری بھی ہے اور نوری بھی میاں

غازی ہیں جو دار پہ راضی ہیں کس دھج سے سر کی بازی میاں
وہ تازیوں کے اسوار ہوئے کیا کر لیں گے اب قاضی میاں
ماضی کا کہا کب مانتے ہیں یہی ان کی سرافرازی میاں

جب قرعۂ عشق پڑا آدم کے نام، تھا حال کمال میاں
حیران فرشتے پھرتے تھے کیا اس کا تھا جنجال میاں
دکھ درد مصائب سوز و الم تھی اس کی کوئی مثال میاں؟

ق قال تے باہر حال کنوں، نہیں خاص جانو ہے خیال میاں
الحال وصال احوال دے وچ وت ڈیکھیں جوڑ جمال میاں
ڈینہہ رات جنہیں دی دو سنبھال تیکوں باہجوں ایں کیہی مجال میاں

ک کائی نہیں بئی جانیکوں باہجوں ہادھو، نہیں وا میاں
اکھیں لا اِتھاں برپا کریں ایہو ڈیکھ سارا سروپا میاں
سر آڈیویں، چت چا اتھوں عاشق اور بازی نہ بنا میاں

ل لُٹ نیتوئی پہلی سٹ میڈی دل چٹ اُلٹ پلٹ میاں
سانوں پھٹ گھتیوئی زلفاں وٹ سوہنا میڈا روح نیتوئی پٹ میاں
جُٹ لاکے سیاں پچھے ہٹ ہیاں طعنے ڈیون اسانوں سٹ میاں

م مار ترار فراق والی میکوں مار گئوں دلدار میاں
بئی یار اُردوار دویار تیڈی لنگھ نینہہ والی وو نظار میاں
ہوشیار ہزار ہلاک تھیون جنھاں آ ڈِٹھا چمکار میاں

کہنے کی نہیں یہ بات ہے یہ، ہے سارا وہم خیال میاں
اس حال وصال میں حسن بھی ہے اس میں ہے سارا جمال میاں
دن رات اسی کی یادیں ہیں اس بن جینا ہے محال میاں

یہی شور شرابا ہاؤ ہو نہیں اس کے سوا کوئی اور میاں
یہیں آنکھ لڑے ہیں مجنوں ہوں یہیں چلتا ہے عشق کا دور میاں
یہیں سر دینے کی بازی ہے نہیں راہ کہیں کوئی اور میاں

دل لوٹ لیا، پھر زخموں سے سینے کو کیا ہے داغ میاں
زلفوں میں قید کیا، اُجڑا پھر روح کے سکوں کا باغ میاں
سکھیوں نے بہت سمجھایا تھا، طعنوں کے دیئے پھر داغ میاں

ترے ہجر فراق کے دکھ سارے مجھے مار گئے دلدار میاں
ہم عشق کے دریا میں ڈوبے یہی شور ہے آر اور پار میاں
تھے لاکھ ہشیار پہ مارے گئے سب دیکھ ترا چمکار میاں

ن نسنگ چاڑھیوئی غمزے کٹک سان تے سٹک لافتح ساری لمکیسے
لٹک نال میڈی دل چٹک نیتی کنہن دی پھٹک نہیں لٹک کون ڈیوے
وٹک نال زلفاں ڈاہڈا دام گھتیا ئجند جان میڈی جانی جھٹک نیوے

د وار کہیں توں نہ یار آسیں اقرار کریں سچا نال میڈے
ہنجھ ہار پوتا جی جار پیا اسرار کیتو ئی، لگوں گال میڈے
اختیار میڈا منڈھوں یار نہیں ہکے وار آویں اج کال میڈے

ہ ہوش وچوں مہوش تھیاں ڈیویں گوش میڈے وخروش ڈیہوں
سرپوش تھیویں آغوش میڈے آون والی کریں بے ہوش ڈیہوں
ہل جوش گھتیا دارونوش تیڈے کائی گھت نگاہ آغوش ڈیہوں

ی یار آیا دل پار میڈے جنسار کرے سینگار میاں
اسرار وچوں اظہار ہویا انہاں دیداں ڈٹھا دیدار میاں
سچل سار سنبھار وو جنھن دی آہی سوئی دیس ملیا دلدار میاں

بے باک تھا دھاوا غمزوں کا پھر ان کو ملی ہے کمک میاں
مرا دل تو وہیں تسخیر ہوا باقی نہیں کوئی اٹک میاں
زلفوں کے دام میں جان پھنسی جانی کب دے گا جھٹک میاں

جو وعدۂ وصل کا دن ٹھہرے وہ پکا ہو اقرار میاں
ترے ہجر میں بیٹھ پروتی ہوں اشکوں کے کیا کیا ہار میاں
تکرار نہ آج اور کل کی ہو آجاؤ بس اک بار میاں

باتیں میں تمہاری سُن سُن کر ہوں ہوش میں بھی مدہوش میاں
آغوش میں آکر چھپ جاؤ سرمست کرو بے ہوش میاں
مے ہجر کی شور شرابا ہے کرو وصل سے اب خاموش میاں

وہ حسن سراپا بن آیا جی خوش ہوا دیکھ کے یار میاں
اسرار سے جو اظہار ہوا آنکھوں نے کیا دیدار میاں
جس روپ میں اس کو سوچا تھا اس رنگ میں ملا دلدار میاں

الف آب اواگھ کوں والگی ایہیں واڈاہڈی کائی موج مارئیں
تہیں موج دی کوئی انتہا نہیں چھولی چھوہ کنوں اسمان چاڑھیئں

ب بحر برہ دے وچ یار چاڑھے کالے کُن کیتے کڑکار ڈاہڈے
ڈوڈاٹ دے وچ گھوگھاٹ لگے سرسی سر دے تھئے شکار ڈاہڈے

ت تن تے من وسار ڈتیس لہریں نال آہے ڈونہیں لڑھ گئے
وڈکار کیتا دریا ڈاہڈا پار وپار تہیں دے پرواز تھئے

ث ثابت پچھے اثبات کنوں باقی جان رہے وعلام کہتے
کہتے نیک، کہتے بدنام رہیئے کہتے کفر کہتے اِسلام کہتے

ج جوش آندا بحر وحدت والے تھئاں موجاں کھڑیاں گونا گون کیہیاں
اوہے موجاں جانیں سبھ مورتیاں وچ واہ جلوہ گریاں وو عجب جیہیاں

چلی تیز ہوا تو موج اُٹھی پھر جانے اس پر کیا بیتی
دھرتی سے اُٹھی تھی اور سرِ افلاک وہ پل میں جا پہنچی

اس بحر میں وہ طوفان اٹھا موجوں کی فلک تک مار ہوئی
بازی تھی سروں کی میداں میں اور کتنے سروں کی ہار ہوئی

انہیں تن من کی سُدھ بُدھ نہ رہی اور دونوں غرقِ آب ہوئے
دریا کے شناور تھے تو نہیں پر جرأت کا اک باب ہوئے

اثبات سے ہی ثابت ہوگا با ہوش تھے کتنے غلام ترے
کہاں کفر ان کا اسلام کہاں وہ نیک تھے یا بد نام ترے

جب جوش میں آیا، وحدت کے ساگر میں کیا کیا موج اُٹھی
ہر موج میں کیا کیا مورت تھی ہر موج میں کیا کیا جلوہ گری

ح حال ہادی حق الحق سانوں بخشا، راہ ڈیکھائس بار بارا
تصویر دے وچ اجسامیاں دے اوہ بحرِ عمیق سموندا سارا

خ خیال خبر ایہا پچھے ڈتی تحقیق ماریوئی اختیار سکھے
تھئی کثرت موجاں وچوں ڈیکھو یار دریائے وحدت دو، ہکے

د دل میڈی کوئی دَور کھادا عالم موج سارے نظر نہ آوندے۔ جی
میڈا خیال خمار ودھا گیا سینے وچ سموند سماوندے۔ جی

ذ ذات سنجان صفات وچوں پچھے ذات صفات ہکائی ہیئی
ایہا آکھ صفات تاں کتھوں آئی ہکا ہک جانیں دو بھائی ہیئی

ر رُخ پیا رنگ رنگ اُتے تھئی موج کھڑی چھولیں چھول پئے
خس خار اتارا وَدھا ڈتس سارا بحر وچوں بدنیک گئے

اس ہادیِ حق الحق نے ہمیں کیا سیدھی راہ دکھائی تھی
دکھلائی دنیاداری بھی اور ساگر کی گہرائی بھی

پھر حال حقیقت ہم پہ کھُلا یہ بات سمجھ میں تب آئی
یہ موجیں، کثرت وحدت کی، وحدت دریا کی گہرائی

دنیا نے دیئے وہ رنج والم مستی کا کہیں منظر ہی نہ تھا
سرمستی من کی ایسی تھی کئی ساگر من میں گئے سما

پہچان لو اس کی سب صفتیں وہ ذات تو ایک اکیلی ہے
یہ روپ سروپ ہیں کیا کیا کچھ یہ دنیا ایک پہیلی ہے

جب ساگر میں طوفان اُٹھا رخ روشن ہوا حقیقت کا
خاشاک کا واں پر ذکر ہی کیا نیکی کا بدی کا فرق مٹا

ز زور تے بحر زخار آندا تہیں وچوں تھیا کوئی نظارہ کھڑا
اوہیں شور مچایا آسمان تائیں دسکار دا تھیا دو غبار کھڑا

س سیر ایہیں دا جہیئں سیر کیتا تہیں دی جند ساری ناپید تھئی
کتھے نام ونشان نسب تہیں دا "من" "ما" دچولے دی پھوک گئی

ش شور مچایا دو موج ڈاہڈا بئے زور جھلن دی دو جا نہیں
برابر زمیں اسمان کتیئں ڈتی کنی تہیں دی دو کا نہیں

ص صورت گم ہوئی دو ساری لہریں پیا پئے دو چڑھ پئیاں
کائی خبر انھاں دو پوندی نہیں نور دنور دیاں ندیاں آنیاں

ض ضرب بحر دی دو زور لگی ہکے وار دجود اوڈار ڈتس
"میں" دی ہک رتی کتھ رہندی اتھاں سارا نام نشان اتار ڈتس

جب جوشِ سمندر میں آیا اس میں تھا کوئی نظّارہ کھڑا
وہ شور تھا اس کا، جو، بن کر افلاک تلک تھا غبار کھڑا

دی جان اسی نے جس نے ہمارے دل کو اطمینان دیا
نے نام و نسب نے حیات کوئی نہ اس نے کوئی نشان دیا

وحدت کے سمندر کی موجیں کیا شور مچاتی پھرتی تھیں
دھرتی سے لے آکاش تلک کوئی فرق رہا تھا؟ نہیں نہیں

وحدت تھی کثرت میں کھوئی کثرت کی موجیں چڑھ دوڑیں
ان چڑھتی نور کی ندیوں میں سب اصلی باتیں کھو ڈالیں

اس بحر کے ایک تھپیڑے نے اس ہستی کو ہی مٹا ڈالا
اس "میں" کی رتی کیا رہتی اس بستی کو ہی مٹا ڈالا

ط طالب وچ عمیق پئے ڈوہیں کنڈھیاں لہیں کنوں بھل گیئاں
پچھے وس اوہیں داوو کوئی نہیں موجاں موج تکھیریاں آپئیاں

ظ ظاہر دی ایہا بات نہیں جو آیا اوہیں کوں ایہا سُدھ پئی
پچھے سُدھ والا موجود نہیں دوئی والڑی گالھ نکال گئی

ع عشق عمیق دریاوچوں آئی موج جھکا ماریا نعرہ ہُو
تے میں بک آہس اور کوئی نہیں "انا الحق" دا ہیئی نعارا ہُو

غ غش غریق دے وچ تھیاں کتھ جسم رہیا کتھ جان کتھے
کتھے شکل رہی کتھے عقل رہیا کتھے فہم کتھے اوسان کتھے

ف فکر فنا دا کیوں نہ رکھیں تا ملک بقا باللہ لئیں
چھوڑ آپ کوں آپ وسار سارا جانیں ہک خدا بے رنگ رہیں

جنہیں طلب تھی اس گہرائی کی موجوں کے سہارے چل نکلے
موجوں نے ہی ان کو گھیر لیا ان کے سارے کس بل نکلے

ظاہر تھی اس کی وحدت بھی دوئی کی کوئی بات نہ تھی
جو آیا تھا یہ سمجھ جاتا اس کے پیچھے کوئی گھات نہ تھی

اس بحر سے موج اک اٹھی تھی تھا اس کا ایک ہی نعرہ ہُو
تھا ایک انا الحق کا نعرہ اور وہی تھا پھر نقارۂ ہُو

تہہ دریا غرق تو ہونا ہے پھر جسم کہاں اور جان کہاں
کہاں شکل رہے کہاں عقل رہے کہاں فہم رہے اوسان کہاں

جب یہ جگ سارا فانی ہے پھر فکرِ فنا ہو کیوں دل میں
باقی ہے نامِ خدا جس کا رنگ ایک نہیں اس محفل میں

ق "قل ہو اللہ احد" ہیئی، جانیں، سمجھ سنجانیں کوئی اور نہیں
کھڑ وحدت دے دریا دے وچ ایہو آپ بیئے دی ٹور نہیں

ک کتھ توڑی میں پھپسیاں ایہا گالھ ہادی والی ہُن چھیدی نہیں
تھیسی ظاہر آپوں آپ ایہا، پیئی زور اساں کنے لکدی نہیں

ل لہریاں بحریاں زور پیئیاں، وس کوئی نہیں میں لڑھ گئی
ڈاہڈیاں موجاں چڑھیاں برہ والیاں اتھاں ہستی گم ساری موجاں موج تھئی

م مے پیون نال موج چڑھی کوئی تم ادہیں، دو جہان ڈِتا
مدہوش کیتس کل ہوش گیا ایہیں عیش سارا اعتبار ڈِتا

ن نام نشان اتار ڈِتس گئے رنگ ہمہ بے رنگ رہے
غوطہ مار کے جو ای غرق تھئے آزاد کنوں رنگ رنگ تھئے

کہو ایک ہے رب کوئی اور نہیں اسی روپ میں اس کو جانو تم
ہے روزِ ازل سے دریا میں ہر بھیس میں اس کو مانو تم

جو بات بتائی مرشد نے وہ بات چھپاؤں میں کب تک
اس کا چھپنا اب بس میں نہیں ہو جائے گی ظاہر وہ سب تک

میں موجِ بلا میں بے بس تھی مجھے ساتھ بہاتی لے نکلی
نہیں کوئی وجود ہمارا باقی میں بحر کی موج میں موج ہوئی

یہ موج اٹھی مے پینے سے اس خم نے کتنا خمار دیا
ہم پہنچے یقیں کی منزل تک جب ہوش کو سر سے اتار دیا

نہ نام و نشان رہا باقی سب رنگ گئے بے رنگ ہوئے
جو غرق ہوئے ان موجوں میں، اُن موجوں کے وہ سنگ ہوئے

د وا لگی تھی موج کھڑی، بحر زور پئے چھولیاں چھٹک پئیاں
ایہا ہکل مارئیں انا البحر آکھیئیں باراں دیاں ندیاں تیز پئیاں

ہ ہادی عبدالحق سائیں سچی راہ سانوں سمجھا گیا
تساں غیر نہیں سراپا جانیں او ہو آپ ہیئیں پُرچھا گیا

ی یاد رہیاں گالھیں وحدت دیاں جہیڑیاں آپ ہادی فرماڈتیاں
سچو حق ایہیں کل شک بھنے اوہیں راز دیاں گالھیں جماڈتیاں

چلی تیز ہوا تو موج اٹھی ہر چیز اس میں نابود ہوئی
ندی نے کہا میں سمندر ہوں، مسعود ہوئی محمود ہوئی

مرا سائیں عبدالحق ہادی اک سیدھی راہ دِکھلا گیا وہ
ہم آپ ہیں وہ کوئی غیر نہیں یہ بات ہمیں سمجھا گیا وہ

جو مُرشد نے بتلائی ہیں یہ باتیں دل پہ بٹھائی ہیں
سچّو حق نے شک کو مٹا ڈالا یہ باتیں کیا سمجھائی ہیں

فارسی

- غزل دیوان آشکار
- رباعی 〃
- مثنوی، عشق نامہ، وصلت نامہ

گر نجوانی دو صد ہزار کتاب
مے شود بر تُو صد ہزار حجاب

جُز محبت ہمہ ست گمراہی
اے بجُز درد، زندگی ست عذاب

ایں طریقہ کدام مے باشد
کہ نہ تقویٰ نہ طاعت و نہ حساب

آشکارا گذر ز مذہب ہا
در رہِ عشق چہ گنہ چہ ثواب

پڑھ بھی لے گر تو صد ہزار کتاب
آڑے آئیں گے صد ہزار حجاب

جز محبت ہے ساری گمراہی
ہو نہ گر درد، زندگی ہے عذاب

یہ طریقِ حیات کیسا ہے
کہ نہ تقویٰ نہ طاعت اور نہ حساب

آشکارا گریز مذہب سے
عشق کی راہ میں گنہ نہ ثواب

در هر دو جهاں شرارِ عشق است
زیں شمس و قمر بہارِ عشق است
از کرسی و عرش تا ثُریٰ ہم
ایں جملہ مرغزارِ عشق است
بینی بجہاں چوں خوبرویاں
دانی کہ ہمیں نگارِ عشق است
جُز یار دگر طرف نہ بیند
آں دیدہ کہ پُر خمارِ عشق است
تاجِ سرِ ماست آشکارا
آں خاک کہ رہگذارِ عشق است

دونوں جہان میں ہے فقط عشق کا شرار
یہ شمس یہ قمر ہیں سبھی عشق کی بہار
عرشِ بریں سے خاک کی پاتال تک جو ہے
ہر ہر جگہ پہ عشق کا پھیلا ہے مرغزار
دنیا میں دلبرانِ پری چہرہ دیکھئے
ہر اک پہ ہے گماں کہ ہے یہ عشق کی نگار
جُز جانِ جاں کسی پہ بھی پڑتی نہیں نگہہ
اِس آنکھ کی کہ جس میں بسا عشق کا خمار
اے آشکار اپنے تو سر کا وہ تاج ہے
جو رہگذارِ عشق میں ہے خاک کا غبار

مے کشد عاشق براہش انتظار
بے شمار و بے شمار و بے شمار
کارِ عاشق روز و شب باشد ہمیں
اشکبار و اشکبار و اشکبار
آں کسے کز خود رہد مردِ خدا ست
شہسوار و شہسوار و شہسوار
مجلسِ غم داشتن عشّاق را
گریہ زار و گریہ زار و گریہ زار
مے شود عاشق ز عشقش دمبدم
بے قرار و بے قرار و بے قرار
سرِّ مخفی راز پنہاں فاش شد
آشکار و آشکار و آشکار،

اس کی رہ میں عاشقوں کا انتظار
بے شمار و بے شمار و بے شمار
روز و شب عاشق کا کاروبار ہے
اشکبار و اشکبار و اشکبار
"میں" سے جو نکلا ہے وہ مردِ خدا
شہسوار و شہسوار و شہسوار
مجلسِ غم کا کرم عشّاق پر
گریہ زار و گریہ زار و گریہ زار
عشق نے ہر لحظہ عاشق کو کیا
بے قرار و بے قرار و بے قرار
سرِّ مخفی، رازِ پنہاں فاش ہے
آشکار و آشکار و آشکار

مے زنم نعرہ انا الحق آشکار
اندریں آخر زماں منصور وار
کوسِ منصوری بکوبم در جہاں
گر رود سر، خوشترم باشد نثار
ہر کہ محروم است از اسرارِ عشق
کے شود از عاشقانِ دلفگار
نوبتِ آں بادشاہی مے زنم
شہر یارم، شہر یارم شہر یار
سدِّ اسکندر بود ایں جسم و جاں
بشکنی فتحت شود اے نامدار

میرا نعرہ ہے انا الحق آشکار
اس زمانے میں ہوں میں منصور دار
کوسِ منصوری بجاؤں روز و شب
سر اگر جائے تو میں اس کے نثار
جو رہا محروم سرِّ عشق سے
کب ہوا وہ عاشقِ سینہ فگار
نعرہ زن ہوں نوبتِ منصور پر
شہریاری مجھ سے، میں ہوں شہریار
جسم و جاں تو راہ کی دیوار ہیں
توڑ کر ہو فتح مند، اے نامدار

مے کنم از عشق در ہر کوچہ و بازار رقص
چونکہ مے آید تن و جاں را ازاں اسرار رقص

از نوائے چنگ و نے طنبور شیدا مے شود
دم بدم شد زاہدا در خواب در بیدار رقص

از وظائف از لطائف معرفت حاصل نہ شد
روز و شب از درد و غم مشغول اندر کار رقص

گر بیائی سوئے ما ہشدار از خود مے روی
اندریں مے خانہ چوں مستاں کنی یک بار رقص

وقتِ حالت نیست ہر دم تا ندانم کے شود
آشکارا ہم چوں شہہ منصور کن، بردار رقص

عشق کے ہاتھوں ہم نے کیا ہر کوچے ہر بازار میں رقص
تن من جان اسرار گئے گو طرز رہی اظہار میں رقص

ایک نوائے چنگ و نے کے تم تو ہوئے ہو شیدائی
رقص کرو گے خواب میں بھی اور لمحۂ بیدار میں رقص

کیسے وظائف، کیسے لطائف، ان سے بھید نہ پاؤ گے
شام و سحر اس رنج و الم کا ساتھ ہو گا تکرار میں رقص

مستوں کی محفل میں آنا ہے تو خود کو بھول کے آ
اس مے خانے میں تو جاری ہے بس ایک ہی تار میں رقص

وہ تو مقام نہیں ہے لیکن کیا جانوں کب آ جائے
دار پہ ہو منصور کی صورت میری ہر رگ تار میں رقص

در دیدۂ معشوقاں اسرار ہمے بینم
دا جلوہ گری حُسنش اظہار ہمے بینم
در کون و مکاں باشد حقّا کہ ظہورِ او
در دیرِ خراباتی دیدار ہمے بینم
ایں جُملہ تجلّی او گر دیدہ بکشائی
دیوار چہ دروازہ آں یار ہمے بینم
اے شیخ گرو باید تسبیح و مُصلّا را
یک لمحۂ نورش در زنّار ہمے بینم

محبوب کی آنکھوں میں اسرار کو دیکھا ہے
اس حُسن کے جلوے میں اظہار کو دیکھا ہے
یہ کون و مکاں بے شک اس کا ہی تو جلوہ ہیں
اس دیرِ خرابی میں دلدار کو دیکھا ہے
کھول آنکھ، نگاہوں میں یہ اس کی تجلّی ہے
دیوار ہو یا در ہو، اس یار کو دیکھا ہے
اے شیخ گرو رکھ دے تسبیح و مصلّا کو
اس نور کو دیکھا ہے زنّار کو دیکھا ہے

بزرگی، پارسائی را نه دانم
عداوت آشنائی را نه دانم
که گم گشتیم در دریائے حیرت
همان جا چون چرائی را نه دانم
چنین رفتم از تنِ خاکی بیک بار
به بے خود، خود نمائی را نه دانم
بگیرم راهِ عشق و درد و غم را
همان زهد ریائی را نه دانم
اگرچه شعلهٔ نورش به بینم
سیاه و روشنائی را نه دانم
کجا رفتم ز خود رفتیم بارے
گدائی بادشائی را نه دانم

بزرگی پارسائی کو نہ جانوں
عداوت آشنائی کو نہ جانوں
میں گم دریائے حیرت میں ہوا ہوں
جہاں چوں اور چرائی کو نہ جانوں
تنِ خاکی کو جب یکبار چھوڑوں
تو بے خود خود نمائی کو نہ جانوں
مری رہ، عشق کے رنج والم ہیں
میں اس زبدِ ریائی کو نہ جانوں
اگرچہ اس کا شعلہ دیکھتا ہوں
سیاہی، روشنائی کو نہ جانوں
بچھڑ کر خود سے میں جانے کہاں ہوں
گدائی بادشائی کو نہ جانوں

دِلا لقائے خدا ہست لقائے درویشاں
دِگر فنائے بیا شد بقائے درویشاں
مپیچ روئے ز دروازۂ گدایاں، تو
بباش روز و شباں در قفائے درویشاں
مرو بمجلسِ شاہاں کہ جائے پُر خلل است
مگر کہ بے خلل است ایں بنائے درویشاں
بسوئے دنیائے دوں میل دل نمے آرند
کہ ہست طائفہ بے ریائے درویشاں
مباش دُور دمے زاں گروہِ خاص الخاص
اگر زما پُرسی خود خدائے درویشاں
ببیں جماعتِ مردانِ آشکارا تُو
مگر کہ مرد شوی از دعائے درویشاں

دِلا لقائے خدا ہے لقائے درویشاں
فنا بھی ہے تو ہے وہ بھی بقائے درویشاں

نہ مُنہ تو پھیر کے جا محفلِ گدایاں سے
قیامِ شام و سحر کر قضائے درویشاں

خلل سے خالی نہیں مجلسِ شہاں، مت جا
جو بے خلل ہے تو وہ ہے بنائے درویشاں

جہانِ سِفلہ کا کوئی گلہ نہیں کرتے
کہ ہے یہ طائفہ بے ریائے درویشاں

نہ ایک پل کے لئے ان سے تم جدا ہونا
جو ہم سے پوچھو تو خود ہے خدائے درویشاں

یہ اک جمعیتِ مردانِ آشکارا ہے
جو مرد ہے تو بفیضِ دعائے درویشاں

نہ من دینِ ارمنی دینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ از آنم نہ از اینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ ہندیم، نہ سندھیم نہ پنجابی نہ دکھنی ام
نہ من از ملکِ قسطینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ عربی ام، نہ شامی ام، نہ مصری ام نہ رومی ام
نہ از چینی و ماچینم چہ مے دانید اے یاراں
نہ شیرازی نہ حلبی ام نہ ایرانی نہ تورانی
نہ من از خاکِ غزنی ام چہ مے دانید اے یاراں
بہر مظہر نگار آمد، نہاں مُد آشکار آمد
عجب اسرار مے بینم چہ مے دانید اے یاراں

بے دین ہوں دیندار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
اِس پار کہ اُس پار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
ہندی ہوں نہ سندھی، نہ پنجابی ہوں نہ دکھنی
نے تُرکِ طرحدار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
عربی ہوں نہ شامی ہوں نہ مصری ہوں نہ رومی
اور چین کا انکار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
شیراز و حلب، فارس و توراں سے نہیں ہوں
غزنی کا نہ پروار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ
ہر رنگ میں وہ ہے کہ نہاں ہے کہ عیاں ہے
میں دیدۂ اسرار ہوں کچھ تم ہی بتاؤ

آں یارِ ما بصورتِ انساں برآمدہ
غازی شدہ مقابلِ میداں برآمدہ
گہ تخت بر ہوائے بدیو و پری بُرد
بارے دگر بشکلِ سلیماں برآمدہ
از عشق آں نمودہ مقام بجھنگ سیال
را نجھو صفت ز تخت ہزاراں برآمدہ
دیدہ جمالِ خویش بخود مست شد چناں
شیدا و والہ و ہمہ حیراں برآمدہ
آں آفتاب حسن بہ عالم ظہور کرد
یوسف بمصر از چہ کنعاں برآمدہ

وہ یار تھا کہ صورتِ انسان آ گیا
غازی تھا اور برسرِ میدان آ گیا
جنّ و پری تھا اڑتا رہا لے کے تاج و تخت
پھر آ گیا بشکل سلیمان آ گیا
عشق اس کا جھنگ سیال، میں رانجھو صفت تھا وہ
ہاں چھوڑ کر جو تختِ ہزاران آ گیا
اپنا جمال دیکھ کے اتنا وہ مست تھا
شیدا و والہ خود پہ ہی حیران آ گیا
وہ آفتابِ حُسن جو چمکا جہان پر
جوں مصر میں وہ یوسفِ کنعان آ گیا

در دلِ عُشاقہا ایں بے قراری تا بہ کے
نالہا، فریادہا و زار و زاری تا بہ کے

وز ملامت، وز شکایت سر نمے پیچیم ما
در رہت ایں دیدہا را انتظاری تا بہ کے

دُلدلِ عشقت ربود از ما زمامِ اختیار
اختیارم رفتہ است بے اختیاری تا بہ کے

اے زتیغِ ناز و غمزہ عاشقاں را مے کشی
بر سرِ مشتاقہا ایں حکم جاری تا بہ کے

از طرف دلدار آمد آشکارا ایں جواب
کز غمِ ایا مہا را مے شماری تا بہ کے

عاشقوں کے دل میں ایسی بے قراری کب تلک
ایسے نالے، اتنی فریادیں یہ زاری کب تلک

ہر ملامت، ہر شکایت اپنے سر پہ جھیل لی
ہاں سرِ راہِ وفا یہ انتظاری کب تلک

چھین لی ہے عشق نے ہم سے زمامِ اختیار
اختیار اپنا، چھنا، بے اختیاری کب تلک

کر رہے ہو عاشقوں کو قتل تیغِ ناز سے
اپنے مشتاقوں پہ لیکن حکم جاری کب تلک

آشکارا یار نے، دلدار نے کہلا دیا
کر سکو گے روز و شب کی غم شماری کب تلک

عشق بے نام و نشان ست تو خود مے دانی
ذات آں عین و عیان ست تو خود مے دانی

عاشقاں رقص کناں بر درِ تو مخمور اند
گریہ و نالہ فغان ست تو خود مے دانی

اندریں دردِ فراقت، عمرم مے گذرد
ایں عیاں را چہ بیان ست تو خود مے دانی

زیستن جز تو دریں عالم دشوار بسے است
حالتم ہیں کہ چنان ست تو خود مے دانی

آشکار ست کہن سال بدانی صنما
در خیالِ تو جوان ست تو خود مے دانی

عشق بے نام و نشاں ہے تمہیں معلوم تو ہے
ذات ہی عین و عیاں ہے تمہیں معلوم تو ہے

تیرے عُشاق ترے در پہ ہیں اب رقص کناں
ہر طرف شورِ فغاں ہے تمہیں معلوم تو ہے

زندگی کاٹ رہا ہوں میں تری فرقت میں
کوئی محتاجِ بیاں ہے ؟ تمہیں معلوم تو ہے

جینا دشوار ہے دنیا میں مجھے تیرے بغیر
میری حالت سے عیاں ہے تمہیں معلوم تو ہے

آشکارا ہے کہن سال مگر جانِ جہاں
یاد میں تیری جواں ہے تمہیں معلوم تو ہے

ساقیا ده مرا پیاله شراب
تا شود محو ز و گناه و ثواب
کن مرا مست در جهان همچون
دل گداز و همیشه چشم پرآب

ساقیا، آزاد تو ز هستی کن
لیل و نهار مرا بمستی کن
بی خبر از دو عالم همچون
چه بلندی و چه ز پستی کن

ساقیا، از مے لبالب کن ایاغ
خاطر از بوئش شود چون باغ باغ
بسکه غم دارم ز دوری یار خویش
یار مے جویم که چشمش چون چراغ

ساقیا دے مجھے پیالہ شراب
بھول جاؤں میں سب گناہ و ثواب
مست کر اس طرح سے دنیا میں
دل ہو پُرسوز چشم ہو پُرآب

ساقی مجھے آزاد تو کر مستی سے
بھر دے یہ مرے شام و سحر مستی سے
رشتہ نہ رہے دونوں جہاں سے میرا
چھٹ جاؤں بلندی سے بھی اور پستی سے

ساقیا بھر دے لبالب یہ ایاغ
اس کی خوشبو سے یہ دل ہو باغ باغ
دردِ ہجراں، جستجو اس یار کی
جس کی آنکھیں ہیں کہ جلتے ہیں چراغ

آں خدا بخشید اُو را شوقِ عشق
آں تعالیٰ داد اُو را ذوقِ عشق

آں کہ آدم ہست سالارِ فلک
داد سجدہ آں زماں اُورا فلک

کرسیٔ یزداں ایں آدم بود
چونکہ از آدم ہمہ عالم بود

ہست آدم درد و عالم سرفراز
ہست آں جا و ہم ایں جا شاہباز

صد سلاطیں، را کہ مجنوں مے کند
در جہاں مجنوں و مفتوں مے کند

عالمان و قاضیان و مفتیاں
صد فلایاں مے شود مجنوں زآں

رب نے بخشا اس کو سارا شوقِ عشق
اس نے آدم کو دیا ہے ذوقِ عشق

ہاں وہی آدم ہے سالارِ فلک
اُس کو اُس دم سجدہ کرتے تھے ملک

کرسیٔ یزداں یہی آدم تو تھا
ایک اس کے دم سے ہی عالم تو تھا

آدمی دونوں جہاں میں سرفراز
اس طرف یا اس طرف ہے، شاہباز

عشق نے شاہوں کو مجنوں کر دیا
عشق نے دنیا کو مفتوں کر دیا

قاضی و مفتی و عالم ہیں غلام
عشق لاکھوں کے جنوں کا ہے امام

ہر کجا آں شاہ عشق خیمہ زد
ہر کسے را زیرِ فرماں آورد

عقل را آں جا نہ جائے رفتن است
ہم ز ایماں کیش دیں برگشتن است

عشق شاہ است و عقل دربانِ او
ایں سپاہی یک بود سلطانِ او

عشق مے باشد ہمہ آگاہِ راز
عشق اندر ہر دو عالم شاہباز

اے پسر جز عشق دیگر راہ نیست
عشق سلطان است دیگر شاہ نیست

عشق جسم و جان را سازد فنا
از فنا مے آورد سوئے بقا

عشق خیمہ زن جہاں پر ہو گیا
ہر کوئی طاعت میں اس کی کھو گیا

عقل کا واں تک پہنچنا ہے محال
دین و ایماں کا نہیں رہتا سوال

عشق شاہ اور عقل واں دربان ہے
یہ سپاہی ہے تو وہ سُلطان ہے

عشق سر سے پاؤں تک آگاہ راز
عشق ہے دونوں جہاں میں شاہباز

اے پسر جُز عشق کوئی رہ نہیں
عشق ہے سُلطان کوئی شہ نہیں

عشق جسم و جاں کو پیغامِ فنا
ہے فنا دراصل پیغامِ بقا

عشق دریائے ست بے پایانِ آں
موج اندر موج آرد بے کراں

عشق آں از بطن آگاہی دہد
گہہ گدایاں را شہنشاہی دہد

عشق را دانی کہ شعلۂ آتش ست
در دلِ پروانہ آتش چہ خوش است

عقل گوید وِرد را ہر روز خواں
عشق گوید ایں ہمہ باشد زیاں

عقل گوید طاعت و تقویٰ بکُن
عشق گوید خویش را رسوا بکُن

عشق گوید از ملامت دور باش
عشق گوید ملحدِ مشہور باش

عشق ہے دریائے ناپیدا کنار
موج اندر موج بے حد و شمار

عشق اندر کی ہے ساری آگہی
بخش دیتا ہے گداؤں کو شہی

عشق ہے یا شعلۂ جوّالا ہے
دیکھ کر پروانہ ناچے پے بہ پے

عقل کہتی ہے کہ ہر دم وِرد کر
عشق کہتا ہے زیاں ہے سر بسر

طاعت و تقویٰ کی باتیں عقل کی
عشق کہتا ہے ہو رسوائی تری

عقل کہتی ہے ملامت سے ہو دور
عشق کہتا ہے کہ ملحد ہو ضرور

عقل مے گوید بُرو افگن نقاب
عشق مے گوید بروں شو از حجاب

عقل گوید سجّہ و سجّاد دار
عشق گوید کن تیاری سوئے دار

عقل گوید از بدی پرہیز کُن
عشق گوید نیک و بد آمیز کُن

عقل گوید پارسائی کُن بسے
عشق گوید بے نوائی کُن بسے

عقل مے گوید تو در ہستی بیا
عشق مے گوید تو در مستی بیا

عقل را دانی کہ در تقلید شُد
عشق را خوانی کہ صد توحید شُد

عقل کہتی ہے کہ لے منہ پر نقاب
عشق کہتا ہے کہ چھوڑ دو سب حجاب

عقل کہتی ہے کہ کر تسبیح نماز
عشق بولے دار پہ ہو سرفراز

عقل کہتی ہے بدی سے بچ کے چل
عشق چاہے نیک و بد ہوں یک عمل

عقل کہتی ہے کہ بن جا پارسا
عشق کہتا ہے، سراپا بے نوا

عقل کہتی ہے کہ آ ہستی میں آ
عشق کہتا ہے، نہیں، مستی میں آ

عقل کیا ہے سرتاپا تقلید ہے
عشق کیا ہے نعرۂ توحید ہے

ملک و جاہ و تخت خواہی در جہاں
کے شوی تو از گروہِ صوفیاں

با غلامانِ لطیف و تختِ زر
کے شوی از راہِ معنیٰ با خبر

با سپاہ و لشکر و طبل و علم
کے رسی در خوانِ فضلِ ذوالکرم

با سوارانِ دلیر و کرّ و فر
کے رسی در راہِ مرداں اے پسر

با حکیمان و ندیمانِ جہاں
کے رسی اندر طریقِ عاشقاں

پردہ را اوّل ز خود تو باز کُن
وانگہے برخیز و رہ را ساز کُن

تاج و تخت اور ملک بھی تجھ کو ملے
صوفیا سے پھر ہوں کیسے رابطے

ہوں غلاموں کے گروہ اور تخت زر
راہ معنی سے رہے گا بے خبر

یہ سپاہ یہ لشکر و طبل و علم
کیسے ہو گا تجھ پہ فضل ذوالکرم

شہسواروں کا یہ ترے کر و فر
راہِ مرداں تک نہ پہنچے گا پسر

یہ حکیمان و ندیمانِ جہاں
کیسے سیکھے گا طریقِ عاشقاں

اپنے چاروں اور سے پردے ہٹا
پھر قدم اس راہ پر اپنا اٹھا

روز نورِ عشق شمع برفروز
پرده ها را سر بسر کلی بسوز

چوں بسوزی پرده ها را اے قباد
آں زماں گردی ز وصلِ دوست شاد

چوں ترا پیدا شود آں بحرِ نور
ہر دو عالم از دلت گردد نفور

بادشاہی و بزرگی ایں جہاں
مختصر گردد بہ پیشت اے جواں

ایں سراؤ باغ چوں زنداں شود
سود ایں عالم ہمہ خسراں شود

ایں زر و ایں گنج و ملکِ بے شمار
جملہ در چشمِ تو گردد ہمچو مار

عشق کی لَو سے منور کر چراغ
پھر جلا دے اس سے پردے داغ داغ

اے شہنشاہ جب یہ پردے جل بجھیں
وصل کے لمحے تجھے اس دم ملیں

سامنے آئے گا جب دریائے نُور
ہر دو عالم سے یہ دل ہو گا نفور

اس جہاں کی بادشاہی، عزّ و جاہ
بے حقیقت ہوں گے جیسے گردِ راہ

ہوں گے زنداں قصریہ، یہ گلستاں
اس جہاں کا سُود بھی ہو گا زیاں

ملک و گنج و زر یہ تیرا بے شمار
سانپ بن کر آنکھ میں کھٹکے گا خار

ایں سخن از جان و دل تو کن قبول
تا شود فردا شفیعِ تو رسولؐ

ایں سخن راہِ سلوک است و یقیں
تا شود علم الیقیں عین الیقیں

اے ز وصلت عاشقاں آشفتہ کار
ہمچو منصور آمدہ در پائے دار

اے وصالت آرزوئے جانِ من
آتشے زد در دلِ ویرانِ من

اے وصالت روشنائی جہاں
اے وصالت حاصلِ صاحبدلاں

اے وصالت گشتہ بر من آشکار
مے بُرد فردا مرا در پائے دار

یہ سخن تو جان و دل سے کر قبول
روزِ محشر ہو شفیع تیرا رسولؐ

یہ سخن راہِ سلوک و صد یقیں
اس سے ہے علم الیقیں عین الیقیں

وصل سے عاشق ہیں سب آشفتہ کار
آئے ہیں منصور بن کر سوئے دار

وصل تیرا آرزوئے جانِ من
دل کے ویرانے میں آتش شعلہ زن

وصل تیرا، روشنی، اندر جہاں
وصل تیرا، حاصلِ صاحبدلاں

وصل تیرا مجھ پہ ہے اب آشکار
ہاں رسن میں دار میں ہے وصلِ یار

اُردو

اگر صورت میں ہے آدم، سراسر خود خدا ہو گا
کبھی یونسؑ، کبھی یوسفؑ، کبھی وہ مصطفیٰؐ ہو گا

کبھی ماتم زدہ ہے وہ کبھی ہے بیچ عشرت کے
کبھی اسمِ حسنؑ ہے وہ کبھی شاہِ کربلا ہو گا

کبھی ہے صاحبِ عظمت، کبھی ہنسنا کبھی رونا
کبھی عیسیٰ کبھی موسیٰ، کبھی وہ مرتضیٰ ہو گا

کبھی تھگلی، کبھی گدڑی، کبھی اطلس، کبھی مخمل
کبھی درویش اور پیدل، کبھی وہ بادشاہ ہو گا

کبھی رونا، کبھی ہنسنا، کبھی وہ رنج و راحت میں
کبھی بدخواہ بدنیت، کبھی وہ آشنا ہو گا

کبھی موجیں، کبھی لہریں، کبھی اُٹھنا کبھی گرنا
کبھی دریا، کبھی کشتی، کبھی وہ ناخدا ہو گا

آنے کا تیرا مجھ کو، ہے انتظار ہونا
رُخ دیکھنے کو تیرے دل بے قرار ہونا

یہ چشم ہیں شکاری کرتی ہیں قتل مجھ کو
تجھ کو ہے عاشقوں کا شوقِ شکار ہونا

تجھ بن رہی نہ طاقت، مجھ میں مرے ستمگر
روزِ ازل سے یوں تھا بے اختیار ہونا

اس دل میں عشق نے ہے کیا شور و شر مچایا
فرقت میں تیری رونا ہے بار بار ہونا

آہوں سے عاشقوں کی تیرا کنارہ کرنا
ہے آگ عشق کی ہیں شورِ خمار ہونا

سچل غریب کیا ہے، آشفتہ اس صنم کا
درشن کو عاشقوں کا، لاکھوں ہزار ہونا

مجھ کو بتا تو قاضیا کیسا تمہارا کام ہے
تجھ کو کتابوں کی خوشی میرے لئے ماتام ہے

عاشق جلا دے آگ میں سارے کتابوں کے ورق
اک نام میرا یاد کر، یہ دوست کا پیغام ہے

مجھ کو تو مارا ہجر نے کہتا ہے تو آ پڑھ کتاب
گھر میرے اس محبوب کی آمد کا آج انجام ہے

کیوں سہو کا سجدہ کرے وہ عشق ہے جس کا امام
دم بھر بھلانا دوست کو، نے عاشقوں کا کام ہے

کیا نیک نامی ہے تری اس عشق میں اے بے خبر
تیری جماعت میں ترا برہا بہت بدنام ہے

آخر یہ مطلب پا لیا مرشد نے یہ ہم سے کہا
بن عشقِ دلبر کے سچل کیا کفر کیا اسلام ہے

حیران ہوا، حیران ہوا، اس حسن پہ میں حیران ہوا
دل کس پہ مرا نادان ہوا، نادان ہوا، نادان ہوا

ترے جلوۂ حسن سے ہر عاشق فرقت میں جلا کرتا ہے صنم
اس زہد و ریا کاری سے مرا یکبارگی دل نادان ہوا

یہ غمزہ و ناز کی فوج کشی، اے دلبر تیری خاص ادا
کیا دل پہ میرے جادو ہے کیا، کیا تن من سب مستان ہوا

یہ زلف پڑی کیوں میرے گلے، یہ بیچاں پیچ اور مارِ سیہ
رُخ مجھ سے چھپایا کیوں تو نے جب تجھ پہ یہ دل نادان ہوا

منصور ہو یا سرمد ہو صنم یا شمس الحق تبریزی ہو
اس تیری گلی میں اے دلبر، ہر ایک کا سر قربان ہوا

ہاں عشق کا تیرے ہے دعویٰ، مسکین سچل کو میرے صنم
کیا خوب تری اس اُلفت میں، مسکین سے میں سلطان ہوا

تو اپنی قدر کو پہچاں، سپہ سالار تو ہوگا
توئی اندر، توئی باہر، ہمہ اظہار تو ہوگا

اگر تو قدرِ نعمت سے رہا غافل، تو رہنے دے
مگر جب خود کو پہچانا، سدا سردار تو ہوگا

اگر منصور بن کر دہر میں مطلب کیا حاصل
انا الحق کہنے سے بے شک ہمہ دیدار تو ہوگا

جو ہے حلاج سُولی پر، ہوُا فارغ وہ ہستی سے
نڈر بن کر 'انا احمد'، کیا اظہار تو ہوگا

کہاں کا تھا وہ اسکندر، ہوُا دنیا پہ جو قابض
جو جیتا ملکِ دل تونے، سکندر دار تو ہوگا

سچل کی ذات ہے معلوم، جو سمجھا، وہی ہے تو
نہیں کوئی دوسرا دلبر، وہی دلدار تو ہوگا

انا الحق جب کہوں گا میں سرِ میدان آؤں گا
گلی اب چھوڑ دلبر کی طرف دیگر نہ جاؤں گا

مقرّر ہوں میسّر ہوں، قدم باہر نہیں رکھتا
ملامت بار ہے بھاری جواب سر پر اٹھاؤں گا

بتایا مجھ کو مُرشد نے نہیں تم غیرِ حق ہرگز
'ولاموجود الاھو' یہ نقارہ بجاؤں گا

مجھے جب حکم ہوتا ہے، بجا نوبت انا الحق کی
اسی عالم میں برہے کا تماشا اب دکھاؤں گا

ہوا ظاہر ہوا باطن وہ حق موجود دو جگ میں
کہا سولی پہ جو منصور نے میں وہ کہاؤں گا

سچّل تو سرّ معنیٰ ہے جو کچھ دیکھا وہی پایا
دل و جاں عشق کی اس آگ میں یارو جلاؤں گا

دل ہوا ویران، دلبر آج سیلانی ہوا
سن رے زاہد! مرے دل پر داغ صنعانی ہوا

کچھ نہیں تسکین دل کو، ہجر کی ہیہات سے
کیوں نہ دیوانہ بنوں جب دور وہ جانی ہوا

ہے غنیمت مجھ کو یارو دوستی دلدار کی
کیوں نہ بیگانہ رہوں، جب یہ جہاں فانی ہوا

ہم نے دم بھر جلوہ دیکھا، دے دیا اس نے فراق
یہ وصالِ یار گویا، ابرِ آسمانی ہوا

میں گدا گر پھر رہا ہوں، بہرِ جاناں دربدر
کیا خبر کس کس گلی میں، سیرِ سلطانی ہوا

شیوۂ مرداں ہے مرنا یاد میں اس دوست کی
سرسجل کا اس گلی میں کارِ قربانی ہوا

سنورے آج سر میرے برہ باران آیا ہے
کرم کر کے صدف پر قطرہ نیسان آیا ہے

زلیخا کی تمنا اور طلب کو دیکھ کر بکنے
گلی میں مصر کی وہ دوست از کنعان آیا ہے

برائے خواہشِ الفت ہوا اغیار وہ بے چوں
اسی دنیا میں وہ دلدار بن انسان آیا ہے

گلابی رنگ کا چیرا ہے سر پر، زلف شانوں پر
برائے قتلِ معشوقاں وہ مع طولان آیا ہے

تجلی دیکھ کر موسیٰؑ ہوا مدہوش مستی میں
پلٹ کر پھر شعاعِ شمع پر پروان آیا ہے

سجل کر گوئے سر میداں یہ سر بھی دے ستر بجن کو
کہ شاہِ حسن حملوں سے سرِ چوگان آیا ہے

ملنے کو تیرے دلبر، میں منتظر ہوا ہوں
بے زر غلام تیرا، میں سربسر ہوا ہوں

پھر دیکھ میری جانب، تجھ بن پھروں اداسی
تیرے لئے گداگر، میں در بدر ہوا ہوں

فرقت میں تیری رونا، دن رین مجھ کو حاصل
"حبل الورید" سے بھی، میں بے خبر ہوا ہوں

اُمید لطف کی ہے تجھ سے ہی عاشقوں کو
لا تقنطوا من رحم، میں بے خطر ہوا ہوں

سمجھا تھا دور میں نے، لیکن نہ دور ہو تم
تیرے کرم سے جاناں، میں در نظر ہوا ہوں

فریاد سُن سریجن، بہر خدا سچل کی
آ دیکھ حال میرا، میں پُر شرر ہوا ہوں

کس کو میں یہ سناؤں، وہ یار ہے خیالی
پوچھے نہ حال میرا کیوں دوست لاابالی

آنکھوں میں اس کی کاجل، ہاتھوں پر اس کے لالی
پیتا ہے خوب بھر بھر وہ جام پر تگالی

دیکھو اے دوستو تم، کیا خوب دلربا نے
اس دل کو لوٹنے کی ترکیب ہے نکالی

کر کے وہ ناز و عشوہ، عشاق میں ہے آیا
مدہوش ہو رہا ہوں، دیکھو یہ چست چالی

بے چارہ اک نہیں میں آشفتہ اس صنم کا
حیراں ہوئے ہیں لاکھوں، کیا حسن لایزالی

بہرِ کرم تم آؤ، میری گلی اے دلبر
دن رین تیرے در پر، ہے سگ سچل سوالی

یار مرا ہر صورت رنگا رنگی آپ دکھائے گا
ملّا ہو یا قاضی ہو یا پھر سے تلک لگائے گا

حافظ بن کر حفظ کرے گا، پوتھی بھی وہ پڑھائے گا
جوگی بن کر، جوگ کما کر، گنگا پر بھی جائے گا

ہاٹ پہ آ کے بیٹھے گا اور پھر سے بانگ سنائے گا
لُوں لُوں دے وچ لالی لا کے، پیالہ عشق پلائے گا

شاہی نام جو آپ پہ دھر کر سارا دیس دبائے گا
مفتی بن کر، فتویٰ دے کر، سولی پر لٹکائے گا

کب کب پائے برہمنہ بن کر، کونتل پھیر کدائے گا
ساگا جوڑ سناسی پھرتا، سامی نام سنائے گا

سچّل کیوں نہ پچھانی صورت، سارا ایک سمائے گا
نوعا نوع پوشاکاں کر کے، دلبر اس جگ آئے گا

مری آنکھوں نے اے دلبر، عجب اسرار دیکھا تھا
میانِ ابر، اُس خورشید کا، انوار دیکھا تھا

جلایا طورِ سینا کو تھا جس نورِ تجلّی نے
ترے کوچے میں اس انوار کو اظہار دیکھا تھا

مراتو کام تھا اس ہادی و رہبر کی صورت سے
اسی صورت کا میں نے ہر جگہ اظہار دیکھا تھا

کہا اس بار اسی نے بایقیں کلمہ انا الحق کا
راہِ اسرار میں منصور کو بردار دیکھا تھا

جو آیا تھا وہاں سے ایک بار اس بزمِ رنداں میں
نہ اس مدہوش کو ہم نے کبھی ہشیار دیکھا تھا

کنارا تھا نہ جس کا، تو سچل اس بحر میں آیا
نگوں سار اس میں ہر اک طالبِ دیدار دیکھا تھا

برہا ہے سب مشکل بازی، کون رسے ہاتھ لگائے گا
جس نے ہاتھ لگایا اس کو، سارا ہوش گنوائے گا

نام و نشان سے بن کے یگانہ، دلبر اس جگ آئے گا
عشق کی اس کے ہے یہ نشانی، دین اور کفر اُڑائے گا

برہا ہے جس کا ہاتھ ہے پکڑا اس کا سر کٹوائے گا
عشق کا ہے یہ عشوہ، یارو، سُولی پر چڑھوائے گا

دیکھنا ہے اب بعد میں اس کے کیسا رنگ بنائے گا
اسپِ محبت دل کے اس میدان پہ وہ دوڑائے گا

سچل سوز فراق صنم کا نت نت رنگ دکھائے گا
غم کی فوجیں کریں گی حملہ، مجھ کو برہا بچھائے گا

بلبل کو برہا پہنچا، آئی ہے رُت بہاراں
فریادِ وصل اس کی ہے مثلِ بے قراراں

میں نے یہ اس سے پوچھا، عاشق ہے تو گلوں کا
یہ وصل ہے یا فرقت روتا ہے زار زاراں

منقار ہے گلوں پر، پھر بھی ہیں لاکھ نالے
یہ کیا سبب ہے آخر حاصل ہیں گل ہزاراں

بلبل نے یہ بتایا اے عشق سے بے بہرہ
اس باغ میں نہیں ہے مرے لئے نگاراں

آئی نہ راس میری فریاد میرے گل کو
اس واسطے سخنؔ میں چھوڑوں نہیں پکاراں

کرتا ہوں اے سجن اس باب شکر للہ
اس برہا نے کیا ہے بے تاب شکر للہ

تیرے جو نین دیکھے حیرت میں پڑ گیا ہوں
تو نے کیا ہے مجھ کو بے خواب شکر للہ

کیا ورد، کیا وظائف، کیا قول کیا یہ پارے
بھولا ہوا ہوں شدّو اعراب شکر للہ

وحدت کا اڑ کے آیا شہباز میرے دل پر
اب مٹ چکے ہیں سارے آداب شکر للہ

ظاہر ہو یا ہو باطن اندر ہو یا ہو باہر
سچّل سپرد تیرے ہر باب شکر للہ

ترے ہی ناز سے آنکھوں کے میں غلام ہوا
ترا ہی عشق مرا پیشوا امام ہوا

کروں میں کس کو بھلا اپنے حال سے آگاہ
ترے ہی درد سے قصہ مرا تمام ہوا

ترے غرور کا چرچا ہوا زمانے میں
سبھی نے گوش میں دیں انگلیاں یہ کام ہوا

کیا ہے دل پہ ترے عشق نے قیام اپنا
مرا فرائض و سُنت کو اب سلام ہوا

کروں میں شُکرِ خدا اور پڑھا کروں الحمد
سچل یہ عشق کا تحفہ ترے ہی نام ہوا

قاضی تم سے کیا میں کہوں وہ یار ہے موجِ دار ہوَا
یار ہے موجِ دار ہوَا، اِک بحر ہوَا زخار ہوَا

دیکھا الف کی گدڑی میں تو اوروں کو دیدار ہوَا
جس کو اپنے دل کی سوجھی وہ نہ کبھی ہوشیار ہوَا

سُرخی لال لبوں پر اس کے، رُخ بھی ہے محراب نما
جس نے دیکھا مست ہوَا، مدہوش ہوَا، مے خوار ہوَا

اس خاکی رنگ کی گدڑی میں اور کوئی اسرار ہوَا
خود کو چھپایا جُثہ میں اور خود سے خود بیزار ہوَا

آیا اس چوگان میں سچل نام لیا اس دلبر کا
سُولی پر وہ سوار ہوَا اور مستی میں سرشار ہوَا

الفت کا شہباز صنم نے میری طرف اڑایا ہے
علم و عقل اور شرم و حیا کو طعمہ کر کے کھایا ہے

مُرغِ ادب کی تاب ہے اس کی، لیکن آپ چھپایا ہے
اس کا ہے ماں باپ نہ کوئی وہ نہ کسی کا جایا ہے

عرش اور کرسی پر وہ پریشاں، دھرتی پر چل آیا ہے
دردمندوں کے دل پر اس شہباز نے گھر بنوایا ہے

جان سے وہ بے جان ہے اس کے دام میں جو بھی آیا ہے
دو جگ اس کے پر میں چھپے ہیں سچل پر بھی چھایا ہے

کاگا نے یہ خبر سنائی یار مرے گھر آئے گا
آئے گا وَل جائے گا، پھر تجھ کو برہا بھائے گا

یار مرا غیور ازل سے، عاشق کو ازمائے گا
پہلے اپنا مکھ دِکھلا کر، پھر سے ہجر اُٹھائے گا

دم دم دوست دلاسہ دے کر غم کا جام پلائے گا
کس دن آپ دکھائے گا پھر کس دن آپ چھپائے گا

سچل تجھ کو دلبر اپنا خود دیدار دکھائے گا
جب تب اوّل آخر ساجن پاؤں ترے دھر پائے گا

مجھ کو فنا کرے گی جاناں تری جدائی
فرقت میں تیری در در کرتا ہوں میں گدائی

ترے فراق سے میں دیوانہ بن چکا ہوں
مجھ کو ہوئی ہے حاصل اُلفت میں جگ ہنسائی

دو چار دن کا میلہ دو چار دن فراقی
سیکھی کہاں سے تُو نے یہ رسم آشنائی

واپس دے دل سچّل کا کوچے میں جو پڑا ہے
سینے پہ اس کے تو بت اُلفت نے ہے بجائی

Sachal Sarmast, one of the leading mystics, is known as *Haft Zuban Shair* being master of seven languages. He wrote in Sindhi, Saraiki, Persian and Urdu languages.

Sachal Sarmast was born in Sind but enjoys a large following all over Pakistan. Although he is considered a difficult poet but his general message is for the masses. He sympathises with the hardship of the common man. Urdu versified translation of his works is being published by the Institute of Folk Heritage under its series on mystic poets.